لالہ رخ

ٹامس مور کی شہرہ آفاق مثنوی کا اردو ترجمہ

مترجمہ

جناب ل۔ احمد اکبر آبادی

تقریب

''لالہ رخ'' کو انیسویں صدی کے انگریزی ادب میں جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جس وقت تین ہزار گنی دیے کر لانگ مین کمپنی نے اس کو شائع کیا تو دنیا کا کوئی انگریزی دان حلقہ ایسا نہ تھا جو چونک نہ پڑا ہو اور اس کی داد دینے پر مجبور نہ ہو گیا ہو۔

ٹامس مور، اس کا مصنف، آئرستان کا رہنے والا تھا اور معمولی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن اس کا ذوق شاعری ثانوی تعلیم ہی کے دوران میں ایک مخصوص انداز اختیار کر چکا تھا جو کامل تیس سال تک پختہ ہونے کے بعد ''لالہ رخ'' کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس سے قبل بھی مور چند کتابیں لکھ چکا تھا۔ اس کے بعد کئی تصانیف شائع ہوئیں۔ لیکن لالہ رخ چونکہ اس کے انتہائی عروج (SYMBOL) بن گئی۔ یہاں تک کہ اب جب لالہ رخ کا نام لیا جاتا ہے تو فوراً مور کا نام بھی زبان پر آجاتا ہے۔ اور جب مور کا ذکر آتا ہے تو بلا قصد و ارادہ لالہ رخ کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔

اس کی یہی مثنوی اس قدر کیوں مقبول ہوئی؟ اس کے دو سبب تھے۔ ایک تو یہ کہ فسانہ کا پس منظر ایشیا کی وہ سرزمین ہے جو اہل مغرب کی کشش کے لیے اپنے اندر بہت کچھ عجائب و غرائب رکھتی ہے اور دوسرے یہ کہ مور نے اس میں جس تخیل سے کام لیا ہے وہ اتنی اچھوتی، اس قدر نازک اور اس درجہ حیرت میں ڈال دینے والی ہے کہ مغرب اس کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ پھر ساتھ ہی ساتھ چونکہ اس کے پلاٹ میں افسانہ، رومان اور طلسم سب ہی کچھ شامل ہے اس لیے ان تمام باتوں نے مل کر اس کے اندر ایک شاعرانہ کیفیت پیدا کر دی ہے اور اس کے پڑھنے کے بعد انسان ایسا محسوس کرتا ہے کہ وہ حسن و محبت کی اس تمثالی (UTOPION) دنیا میں پہنچ گیا ہے جس سے قطع نظر کرنے کے بعد عشق و شباب کے کوئی صحیح مفہوم

متعین نہیں کرسکتا۔

لالہ رخ بالکل فرضی ہستی ہے اور اس داستان کو تاریخ سے مطلقاً کوئی لگاؤ نہیں، لیکن جس وقت کشمیر کی ایک عمیق و ساکن جھیل کے کنارے ایک سنسان باغ اور اس کے ویران کھنڈر سے نکل ایک خستہ حال درویش ہم کو یہ بتاتا ہے کہ اس کو ''لالہ رخ کا باغ کہتے ہیں'' تو ہم ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں کہ فرامرز کے نغمے شاید اب بھی یہاں گونج رہے ہیں اور لالہ رخ نقاب ڈالے ہوئے یہیں کسی گوشے میں ان نغموں کو سن سن کر بے تاب ہوئی جارہی ہے۔

فسانہ کا پلاٹ مختصراً یہ ہے کہ بخارا کا فرمانروا شہنشاہ دہلی کا مہمان ہوتا ہے۔ قیام کے دوران میں اس کے ولی عہد اور دہلی کی شہزادی لالہ رخ کی نسبت قرار پا جاتی ہے اور یہ بھی طے پاتا ہے کہ شادی کی رسم کشمیر کی وادی میں عمل میں آئے اور نوشہ و عروس وہاں کچھ دن قیام کرکے پھر بخارا جائیں۔

شاہ بخارا نے جو خدام اور کنیزیں عروس کی معیت کے لیے روانہ کیں ان میں ایک کشمیری مغنی فرامرز بھی تھا جو ہر منزل پر لالہ رخ کو گا گا کر کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ لالہ رخ اس نوجوان سے اس قدر مانوس ہوگئی کہ وہ اس کی جدائی کے خیال سے ملول ہو جاتی تھی لیکن جب بعد کو اس پر یہ راز ظاہر ہوا کہ جس کو وہ کشمیری مغنی سمجھتی تھی وہی حقیقتاً اس کا شوہر ہے تو اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ مور نے فسانے کی یکسانیت کو دور کرنے کے لیے ایک کردار فضل الدین کا بھی شامل کیا ہے جو حد سے زیادہ خشک فلسفی واقع ہوا ہے اور جس کی تنقیدیں ہمیں واشنگٹن اردنگ کے فسانے ''زائر محبت'' PILGRIMOFLOVE میں ابن یامین کی یاد دلاتی ہے۔ جو شاہزادہ احمد کا اتالیق صرف اس غرض سے مامور کیا گیا تھا کہ وہ اسے عشق و محبت کی باتوں سے آگاہ نہ ہونے دے۔ درآنحالیکہ یہ ہو کر رہا۔

مور نے اس مثنوی میں فرامرز کی زبان سے چار کہانیاں لکھوائی ہیں جن میں

سے ''مقنع'' اور ''نورمحل'' کا پس منظر ایک حد تک تاریخی ہے اور ''آتش پرستاران فارس'' محض ایک رومان۔ چوتھی مثنوی ''پری دروازۂ بہشت پر'' یکسر تخیلی چیز ہے بس مثنوی کا ترجمہ ہمارے عزیز دوست جناب لطیف اکبرآبادی نے نگار جاری ہونے پر کیا اور اس میں مسلسل شائع ہوکر مکمل ہوا تھا۔

لوگ کہتے ہیں کہ فنی و علمی کتابوں کا ترجمہ دشوار ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دوسری زبان کی انشائے عالیہ کو اپنی زبان میں منتقل کرنا اس سے کہیں زیادہ دشوار ہے۔ فن کی کتابوں میں دشواری وضع اصطلاحات کے سلسلے میں تو ہوتی ہے جو بہر نوع محدود متعین ہیں، لیکن ادب و انشاء کی نزاکتیں چونکہ غیر محدود ہیں اس لیے ان کو ترجمہ میں قائم رکھنا، قابلیت دمشق سے زیادہ ایک ایسے ذوق چاہتا ہے جو ان نزاکتوں کی لذت سے سرشار ہونے کے بعد اپنی کیفیات کی تصویر بھی الفاظ میں کھینچ سکتا ہو اور یہ خصوصیت صرف اس آرٹسٹ میں پائی جاسکتی ہے جو تمام فنون لطیفہ کا پاکیزہ ذوق رکھتا ہو۔

پھر ایک ادبی تصنیف اپنی تخیل کے لحاظ سے جتنی بلند ہوگی۔ اتنا ہی ترقی یافتہ ذوق ادب اس کے ترجمے کے لیے درکار ہوگا اور اگر یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ مورؔ کی لالہ رخ اس حیثیت سے نہایت بلند چیز ہے تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کے مترجم کا ذوق بھی اتنا ہی بلند ہونا چاہیے۔ اور اس لیے جناب لطیفؔ کی پاکیزگی ذوق کا ثبوت اس سے زیادہ کوئی نہیں ہوسکتا کہ ہمارے اہل قلم طبقے میں سب سے پہلے انہیں کا خیال اس طرف منتقل ہوا اور انھوں نے اس کا ترجمہ کرنے کی ہمت کی۔

مورؔ کی یہ تصنیف اگر نثر میں ہوتی تو شاید اس کے ترجمے میں اتنی زحمت نہ ہوتی لیکن چونکہ ہو نظم ہے اس لیے تخیل کی نزاکتیں اس میں از حد دقیق و پیچیدہ ہوگئی ہیں اور غالباً لطیفؔ سے کمتر ذوق رکھنے والا انسان کبھی ان نزاکتوں کو اپنی زبان میں

منتقل کرنے پر قادر نہ ہو سکتا۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس مثنوی کا ترجمہ یورپ کی کن کن زبانوں میں ہوا ہے لیکن یہ جانتا ہوں کہ ایشیا کی زبانوں میں غالباً یہ فخر اردو کو حاصل ہے کہ اس میں سب سے پہلی مرتبہ یہ کتاب منتقل کی گئی اور اس فخر کا باعث لطیف کی ذات ہے۔

میں ترجمے کے محاسن پر تفصیلی بحث کرنا ضروری نہیں سمجھتا، کیونکہ اول تو دیکھنے والے خود ہی سمجھ لیں گے کہ مترجم کا قلم کن کن نازک مواقع سے کس خوبی کے ساتھ گزرا ہے اور دوسرے اس لیے کہ اگر میں ان کو بیان کروں بھی تو اس کے یہ معنی ہیں کہ پوری کتاب نقل کر کے رکھ دوں اس کا ہر ہر جملہ، ہر ہر فقرہ بلکہ ہر ہر لفظ اپنی جگہ نگینے کی طرح جڑا ہوا ہے۔

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہو یہ مثنوی بالاقساط نگار ۲۲ء میں شائع ہو چکی تھی اور اس کے بعد اسے کتابی صورت میں لانے کا خیال تھا لیکن جو اہتمام اس وقت پیش نظر تھا وہ بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر پورا نہ ہو سکا اور نگار بک ایجنسی نے اسے کسی نہ کسی طرح ایک مجلد میں شائع کر دیا تا کہ جن حضرات کے پاس نگار کا فائل نہیں یا جو تمام اجزاء یکجا نہ ہونے کے باعث مطالعہ کا پورا لطف نہ اٹھا سکے وہ اس کو ایک شیرازہ سے وابستہ دیکھ سکیں۔ اب وہ ایڈیشن بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ دوسرا ایڈیشن پیش کیا جائے۔ چنانچہ اس خدمت کو کتب خانہ علم و ادب دہلی پورا کر رہا ہے۔ امید ہے کہ نسبتاً زیادہ حسن اہتمام کے ساتھ اس ضرورت کو پورا کر سکے گا۔

لالہ رخ کے ترجمے کے بعد جناب لطیف کی مشق انشاء بہت زیادہ پختہ ہو گئی ہے اور ان کے متعدد مجموعے شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ لیکن لالہ رخ کی اہمیت اپنی جگہ بدستور قائم اور اس کے اردو میں منتقل ہو جانے سے جو اضافہ اردو ادب لطیف میں ہوا ہے وہ کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔

نیاز فتح پوری

لکھنو ۲۳ مارچ ۱۹۳۹ء

لالہ رخ

خاندان زنج کا مشہور بادشاہ عبداللہ اس نیت سے کہ عمر کا باقی حصہ یاد الٰہی میں بسر کرے، بخارا آ کو چک کا تاج وتخت اپنے بیٹے کو سپرد کرکے حج کے سفر پر روانہ ہوا اور کشمیر کی دلکش وادیوں کو طے کرتا ہوا دہلی آیا۔

یہ زمانہ شہنشاہ اورنگ زیب کے گیارہویں سال جلوس کا تھا۔ اورنگ زیب نے حد درجہ احترام اور عزت کے ساتھ عبداللہ کی پذیرائی کی۔ اور ایسے شاندار طریقے سے اس کا خیر مقدم کیا۔ جو میز بان و مہمان دونوں کے شایان شان تھا خیر مقدم اور مدارات میں جس عالی حوصلگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ اسی عظمت اور اہتمام کے ساتھ شاہ عبداللہ دہلی سے سورت تک (جہاں سے شاہی قافلہ حجاج عربستان کے لیے جہاز پر سوار ہونے والا تھا) پہنچایا گیا۔

دہلی میں ملک عبداللہ کے اس چند روزہ قیام کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ شاہنشاہ اورنگ زیب کی سب سے چھوٹی لڑکی شاہزادی لالہ رخ کی نسبت اس کے لڑکے کے ساتھ قرار پا گئی۔

لالہ رخ کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ اس کے ذکر سے اس وقت کے تمام شعراء کا کلام معمور نظر آتا تھا۔ اور ایک عام خیال یہ تھا کہ لالہ رخ کے سامنے لیلیٰ کی ملاحت، شیریں کی صباحت اور دیول دیوی کی نزاکت کا ذکر کرنا فطرت کی صناعیوں کے گویا ابتدائی نمونے پیش کرنا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ صنمیات یونان کی تمام وہ حسین دیویاں جن کے نام شعر و نغمہ کا موضع قرار دیئے جاتے ہیں، ان چھوٹے چھوٹے پھولوں کی طرح تھیں جو گلدستے کے حاشیہ پر نظر آتے ہیں اور لالہ رخ اس گلدستہ کا مرکزی گلاب تھی!

یہ بھی قرار پایا تھا کہ مراسم عروسی کشمیر کی نکہت بار وادی میں ادا کیے جائیں اور دلہا دلہن، چند دن اس جنت ارضی میں قیام کرنے کے بعد دار السلطنت بخارا کو

واپس جائیں۔

وہ دن بھی عجیب دن تھا۔ جب شاہزادی کشمیر کی طرف روانہ ہوئی۔ دہلی کا ہر بازار اطلس و کمخواب کے زرکار پردوں سے آراستہ تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان کا تمام سونا چاندی دیواروں پر چڑھا دیا گیا ہے۔ حسین اور خوش رنگ لباس پہنے ہوئے بچوں کے گروہ جلوس کے راستہ میں پھول بکھیرتے نظر آتے تھے، جو ایران کی قدیم رسم ''گل افشاں'' کی یاد دلاتا تھا۔ پھولوں کے تعطر کا یہ عالم تھا کہ گویا اس طرف سے ختن کا کوئی قافلہ مشک کا انبار لیے ہوئے گزر گیا ہے۔ جمنا کے شفاف پانی پر سیکڑوں سجائی ہوئی کشتیاں اس طرح دوڑتی پھر رہی تھیں۔ گویا وہ خود بھی پانی کی رنگین موجیں تھیں!

شاہزادی شاہنشاہ سے آخری بار رخصت حاصل کرنے گئی۔ اورنگ زیب نے شفقت پدری میں ایک بیش قیمت ہار چشم پرنم کے ساتھ اپنی پیاری بیٹی کے گلے میں ڈال دیا۔ لالہ رخ نے فقیروں اور مسکینوں کے لیے نذریں روانہ کیں اور ملول و غمگین، محافے کے اندر سوار ہوگئی۔

جس عظمت و شان کے ساتھ یہ جلوس روانہ کیا گیا وہ ایسا نظارہ تھا جسے نگار آفتاب نے شاید ہی کبھی دیکھا ہو۔ شاہی محل سے لے کر مضافات شہر کے باغات تک حشم و خدم کا ایک سلسلہ قائم تھا۔ تمام امراء و ارا کین تزک و احتشام کے ساتھ جلوس میں شریک تھے اور شاہزادی لالہ رخ اپنے محافے میں کسی حسین مورت کی طرح خاموش بیٹھی ہوئی تھی محافے کی کھڑکیوں پر ہلکے گلابی رنگ کی ریشمی چلمنیں پڑی ہوئی تھیں۔ تاتاری و کشمیری خواصیں سفید عربی گھوڑوں پر سوار حلقہ کئے ہوئے تھیں، جن کو شاہ بخارا نے شاہزادی کی جلو میں چلنے کے لیے مخصوص طور پر بھیجا تھا۔

فضل الدین، ناظر اعظم، جو شاہزادی کے محافے کے پیچھے پیچھے ہوادار میں

سوار تھا باوجود حد درجہ مرتاض اور تنک مزاج ہونے کے اس منظر سے نہایت نقاش تھا، ایسا نقاش کہ حسینان سرکیشیا کی آنکھوں پر پڑی ہوئی خوب صورت پلکوں کو بھی اپنے قلم سے اچھی طرح ظاہر کر سکتا تھا۔ تو دوسری طرف حکیمانہ مسائل پر تبحر اور ادیبانہ نکات کے بیان میں بھی وہ ید طولی رکھتا تھا وہ اگر طب کے نسخوں کی تیاری کا اعلیٰ ترین ماہر تھا۔ تو غزل اور قصیدہ گوئی کا بھی بہترین استاد تھا اور یہی باعث تھا کہ اس وقت کے تمام شعراء اس کا احترام کرتے تھے اور عام نظم حکومت میں بھی اسے بڑا اقتدار حاصل تھا!

سفر کے ابتدائی ایام میں لالہ رخ کی فرحت و دلچسپی کے لیے (جس کی ساری عمر دہلی کے شاہی چمنوں کے سایوں میں گزری تھی) روز مناظر کا بدلتے رہنا یقیناً دعوت ذوق و نظر تھا، کیونکہ جب آفتاب کی تپش کے بعد شام کو یہ قافلۂ عروسی کسی دریا یا چشمے کے کنارے قیام کرتا تو طبیعت کو عجیب لطف و سکون حاصل ہوتا تھا۔ لیکن اس کی جدت پسند طبیعت اور عنفوان شباب کا تلون اب اس لطف سے بھی بیزار نظر آنے لگا تھا۔ خواصوں کی ظرافت اور ناظر اعظم کے لطائف (یہی تنہا ایک مرد تھا جو شاہزادی کے خیمے میں داخل ہو سکتا تھا) اگرچہ اس قابل ہوتے تھے کہ وہ اپنی بیداری کے لمحوں کو جب فرق ناز آشنائے بالش نہ ہو، ان کی نذر کر دے، مگر لالہ رخ کو ان سے بھی کوئی دلچسپی نہ رہ گئی تھی۔ شاہزادی کی نہایت محبوب کنیز ایک ایرانی خادمہ تھی جو اکثر شاہزادی کو بستر خواب پر اپنے لطیف گیتوں سے سلانے کی کوشش کیا کرتی تھی! یہ کنیز اپنے نشہ آور لحن میں کبھی تو وامق و عذرا کا فسانہ عشق سنایا کرتی تھی اور کبھی شیریں و فرہاد کی داستان محبت! مگر اب لالہ رخ کو اس کے افسانوں میں بھی کوئی لطف نہ آتا تھا۔ دوران سفر میں بعض مقامات پر کرشن کے پجاریوں نے شوالوں کی مغنیہ مرلیوں کو بھی شاہزادی کا جی بہلانے کے لیے بھیجا، مگر لالہ رخ کے تکدر کو یہ بھی دور نہ کر سکیں، اور قیام کی گھڑیاں تو خصوصیت کے

ساتھ نہایت ہی بے مزہ گزرنے لگیں۔

اس حالت کو دور کرنے کے لیے کسی کو خیال آیا کہ شاہ بخارا کے بھیجے ہوئے خدام کے ساتھ جو نوجوان کشمیری شاعر آیا ہے جس کے خوشنوائی کی تمام کشمیر میں شہرت ہے، طلب کیا جائے۔ کہا جاتا تھا کہ وہ مشرق قدیم کے افسانے ایک خاص ترنم کے ساتھ سناتا ہے علاوہ اس کے شاہ بخارا کی طرف سے اسے اجازت بھی تھی کہ شاہزادی کے خیمے میں داخل ہو کر اپنے گانے سے شاہزادی کا جی بہلائے۔ لیکن شاعر کا لفظ سنتے ہی فضل الدین چیں بجبیں ہوا؟ وہ اس لحاظ سے ایسا خشک آدمی واقع ہوا تھا کہ کرشن کی مرلیوں کی مہندی لگے پانوں کی طلائی پازیبوں کی جھنکار میں بھی اسک ے لیے کوئی دلکشی نہ تھی چہ جائیکہ ایک گمنام شاعر! لیکن چونکہ شاہزادی کی افسردگی سے وہ خود بھی حیران اور متفکر تھا۔ اس لیے اس نے شاعر کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔

فرامرز حاضر کیا گیا۔ چونکہ شاہزادی اس سے قبل اپنے حجلے کی جھلملیوں سے اس شاعر کو شاہنشاہ اورنگ زیب کے دربار میں داخل ہوتے اس وقت دیکھ چکی تھی جب شاہ بخارا کے بھیجے ہوئے تحائف پیش کیے جا رہے تھے، اور چونکہ اس وقت شاہزادی نے اس کے متعلق کوئی پسندیدہ اثر قبول نہ کیا تھا، اس لیے اس وقت بھی اسے دل بستگی کی کوئی خاص توقع پیدا نہیں ہوئی۔

فرامرز کا عنفوان شباب تھا۔ اس کی عمر تقریباً شاہزادی کی عمر کے برابر تھی۔ اس کے مردانہ حسن میں وہی دلکشی پائی جاتی تھی جو ہندوستان کی عورتوں کو ان کے پر شباب خدائے حسن، کرشن کی مورت میں نظر آتی ہے۔ وہ کرشن جس کی آنکھوں سے ان پرستاران محبت کو موسیقی سانس لیتی نظر آتی ہے اور جس کے خیال سے ان کے جذبات پرستش میں محبت کا ایک طوفان پیدا ہو جاتا ہے۔

فرامرز کا لباس اگرچہ سادہ تھا مگر قیمتی اور اس کی خوش ذوق کو ظاہر کرنے والا!

اس کے گلکار کاشانی مخمل کے کمر بند میں خوب صورت موتیوں کی جھالر لٹک رہی تھی، جس کی بے ترتیبی میں بھی اک حسن پیدا تھا کشمیری نوجوان نے اپنا ستار اٹھایا، وہی ستار جسے دوشیزگان عرب قصر الحمراء کے باغات نارنج کے اندر چاندنی میں سنا کرتی تھیں۔

فرامرز نے شاہزادی لالہ رخ کے مراسم کورنش بجالا کر عرض کیا کہ جو مثنوی وہ سنانے والا ہے، اس میں خراسان کے اس نقاب پوش پیغمبر کی داستان بیان ہوئی ہے جس نے سرزمین فارس پر ۱۶۳ھ میں ایک عظیم ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ یہ بتانے کے بعد اس نے گانا شروع کیا۔ ملیح اور رزرین حلقہ ہائے مور کھنے والی بعتان فرنگ! غرض ہر حصہ زمین نے اپنے بہترین پھول مقنع کی اس فردوس کی آرائش کے لیے پیش کر دیئے تھے! لیکن بس نمایش اسلحہ کے کیا معنی ہیں؟

مقلدین مقنع کے ہجوم سے سارا ایوان بھرا ہوا ہے، برقع پوش پیغمبر کی ادنیٰ اشارے پر تمام حاضرین کے سر جھک جاتے ہیں اور ان کے رنگا رنگ لباسوں میں ایسی تموج پیدا ہو جاتا ہے جس طرح رنگا رنگ لالہ زار پر ہوا کا کوئی سخت جھونکا گزر جائے! وہ کون سا ایسا راز ہے جس پر آج تمام پیرو اپنے خون سے مہر ارادت ثبت کرنے کے لیے جمع نظر آ رہے ہیں؟ اور کون سا نیا معجزہ ہے جسے مقنع آج اس اہتمام کے ساتھ پیش کرنے والا ہے؟

ایوان کے سامنے دفعتہً ہجوم میں سے ایک نوجوان فوجی نمودار ہو کر جلوہ گاہ رسالت کی طرف آ رہا ہے۔ اس کے ہاتھ میں نقرئی کمان ہے قیمتی ریشم کا رومال کمر سے لپٹا ہوا ہے، بخاری وضع کی سموری ٹوپی زیب سر ہے، آنکھیں چمک رہی ہیں جیسے گرمی کی رات میں مریخ! یہ نوجوان اس لیے آیا ہے کہ مقنع کا مذہب اختیار کرے اور اس کے الہامی جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو!

عظیم ہر چند ابھی نوجوان تھا لیکن برف پوش کوہ اولپیا کے اس طرف، مغربی

ممالک میں، اس کی شہرت ضرب المثل ہو چکی تھی، اور قبل اس کے کہ شباب اپنی سبزی اس کے رخساروں پر نمودار کرتا وہ ایک زبردست جنگ میں دادِ سپہ گری دے کر یونانیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا تھا اور جب تک صلح نہ ہو گئی وہی قید رہا۔ پھر ایسا کب ہو سکتا تھا کہ کوئی سرزمین یونان پر قدم رکھتا اور اس کے خیالات میں بلندی اور جذبات میں علو نہ پیدا ہو جاتا؟ چنانچہ عظیم جب اپنے وطن عزیز کو واپس ہو رہا تھا تو اس کی نیندیں بھی آزادی کے خوابوں سے معمور تھیں اور اس کا دماغ حریت کے جذبات سے لبریز تھا!، اور جب تک صلح نہ ہو گئی وہیں قید رہا۔ پھر ایسا کب ہو سکتا تھا کہ کوئی سرزمین یونان پر قدم رکھتا اور اس کے خیالات میں بلندی اور جذبات میں علو نہ پیدا ہو جاتا؟ چنانچہ عظیم جب اپنے وطن عزیز کو واپس ہو رہا تھا تو اس کی نیندیں بھی آزادی کے خوابوں سے معمور تھیں اور اس کا دماغ حریت کے جذبات سے لبریز تھا! مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ فریب خوردۂ تخیل تھا! جس طرح افق کی حسین فریب کاری ہماری نظروں کو آسمان و زمین کے اتصال کا یقین دلاتی رہتی ہے۔ اسی طرح جب عظیم نے سنا کہ ایک مقدس تلوار بنی نوع انسان کی بہبودی کے لیے بلند کی گئی ہے اور جس وقت اس نے ابن مقنع کے لشکر کا لہراتا ہوا ایک رنگ سفید جھنڈا دیکھا۔ جس پر ''حریت عالم'' کے درخشاں الفاظ لکھے تھے، اس کا عقیدہ اسی وقت قائم ہو گیا اور اس کی روح و شمشیر دونوں نے اس الہامی دعوت کو لبیک کہہ دیا تھا!

مقنع کے دربار کی مخصوص تیاریاں جس نئے معجزے کے اظہار کے لیے تھیں وہ اسی نوجوان ہستی کے حلقہ بگوش ہونے کا معجزہ تھا کیونکہ مقنع پر روشن تھا کہ عظیم کی تنہا ہستی کسی طرح پوری فوج سے کم نہیں ہے! آہ تلاش حقیقت کے جوش میں بے صبر ہو جانے کی ابھی مثال شاید ہی نظر آئے! اور شاید ہی کوئی انسانی روح عظیم کی روح سے زیادہ سروش غیبی کی فریفتہ ہو! یہی باعث ہے کہ یہ جوش و شوق سے معمور کامل

نوجوان سپاہی مقنع کے رعب سے زرد ہوا جا رہا ہے اور اسے کامل یقین ہو گیا ہے کہ جس ہستی کے سامنے وہ زمین بوس ہو رہا ہے وہ ایک فرشتہ رحمت ہے جو دنیا کو ذلت و ظلمت سے آزاد کرانے آئی ہے!

عظیم کے جھکتے ہی تمام عقیدت مند جماعت کے سر زمین سے لگ گئے اور نعرہ اللہ اکبر ایک دیرپا آواز کے ساتھ بلند ہوا! مسند پیغمبری کے اوپر صدہا بیرقیں، جو ایوان کے اندر آنے والی شعاع آفتاب کی روشنی میں لہرا رہی تھیں، سایہ افگن تھیں۔ جس طرح سلیمانؑ کے سر پر سفید پرند اپنے پروں کو پھیلائے رہتے تھے! نقرئی نقاب حرکت میں آیا اور اس کے اندر سے نکل کر یہ آواز فضا میں گونجنے لگی:

''اے نووارد! ہر چند ہم سب دیکھتے ہیں کہ اس وقت تیری روح کا مسکن یہ جسم خاکی ہے۔ لیکن اس روح کا طریق سفر مجھ پر اس زمانے سے روشن ہے جس کی کوئی ابتدا متعین نہیں کی جا سکتی! مجھے ہر ہر موقع کا علم ہے کہ کب اور کس طرح تبدیل قالب ہوتا رہا ہے! جس طرح میں ارواح آتشیں کا حال جانتا ہوں کہ وہ کیونکر یکے بعد دیگرے نئے نئے منور قالب اختیار کرتی رہتی ہے، اسی طرح مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تیری روح کا غیر فانی شعلہ اس وقت تک کہاں کہاں رہا اور وہ کیونکر مقصود حقیقی کو پا سکتا ہے۔''

''یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ کایا پلٹ صرف دنیا داروں کی روح کا طریق کار ہے، نہیں، بلکہ تمام مقدس ہستیاں بھی اس فنا پذیر تاریکی میں سے گزرتی ہیں تا کہ انجام کار وہ نورانیت حاصل کر لیں۔ یہی تنویر وہ جوہر تھا جو آدم کے وجود میں چمکا اور تمام ساکنان عرش نے سوائے ایک مغرور ہستی کے اسے سجدہ کیا! اور پھر مختلف زمانوں میں مختلف پیغمبروں کی ہستیوں میں جلوہ افروز ہوتا رہا۔ یہی وہ شعلہ تھا جو موسیٰ کی ہستی میں روشن ہوا، عیسیٰ کے قالب میں منور ہوا اور پھر محمدؐ کی سینے میں مشتعل رہا! پھر، جس طرح ایک چشمہ جاری ہو کر پہاڑوں کی بلندی سے گرتا ہوا زمین کی سطح پر

بہتا ہوا ایک جھیل میں سکون چاہتا ہے اسی طرح اس روح مقدس کا مظہر اس وقت میری ذات ہے!''

ان الفاظ کے ادا ہونے پر مجمع میں حرکت کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ اور ہزارہا آوازیں تحیۃ وصلوٰۃ میں بلند ہو جاتی ہیں! تلواروں کی نوکیں آسمان کی سمت اٹھ جاتی ہیں اور تخت کے اوپر غرفوں کے پردے جن کے لیے اندر کے تماشائے جمال کو مستور رکھنا دشوار تھا۔ جنبش میں آ جاتے ہیں، مرمرین کلائیاں، کافوری بانہیں، ریشمی رومالوں کو جنبش میں لا کر سارے ایوان کو ایک لطیف خوشبو سے بس دیتی ہیں! گویا کہ حوریں بھی اپنے فردوسی کنجوں میں سے عظیم کا خیر مقدم کر رہی ہیں! مقنع پھر کہتا ہے

''لیکن جو کچھ میں نے کہا وہ ایسے ارفع و اعلیٰ حقائق ہیں جو بہت زیادہ تقدس کے طلب گار ہیں! اس لیے یہ تلواریں جو تمہاری زیب کمر ہیں ان کو بلند ہونا چاہیے تا کہ انسانیت کی ظلمت و تاریکی کا قید خانہ مسمار کیا جائے! معصیت آلودہ دنیا آنے والی طمانیت کی جلوہ افروزی کی اہل ہو سکے! اور صداقت کی روشنی دنیا کو منور کر دے، چمکا دے!''

''اے شمشیر برادران حق و صداقت، صرف اس وقت، جب کہ تمام دنیا کی حکومتوں کے جھنڈے تمہارے علم مقدس کے سامنے سرنگوں اور تمام مذاہب عالم کی عبادت گاہیں تمہارے مذہب کی طاقت سے مسمار ہو جائیں گی، آزاد شدہ انسان اپنی غلامی کی بیڑیاں، ظالم بادشاہ اپنے مرصع تاج و تخت فاتح اپنا مال غنیمت اور مذہبی واعظ اپنی کتابوں کو ان قدموں پر ڈال دیں گے! صداقت کے لبوں کا تنفس ایک بگولے کی طرح انسانی سیہ کاریوں کے تاریک پہاڑوں کو اڑا دے گا!

ہاں، صرف اسی وقت دنیا پر حقیقت کی حکومت قائم ہو سکے گی، اور انسانیت سچی زندگی سے معمور ہو کر بہار عالم کے اس ابر درخشاں کی روشنی میں قدم بڑھائے گی

جس کی پاکی اور صفائی کے سامنے بلور کی حقیقت اک فریب ہے! یہ وہ وقت ہوگا کہ تمہارے پیغمبر کی مقدس اور سماوی پیشانی کا نقاب، جو اس کی تجلیوں کو چھپائے ہوئے ہے دفعتہً اٹھ جائے گا اور مسرور و مطمئن دنیا اس کے چہرے کی برکتوں سے فیض پائے گی اور اس کی تجلیوں سے جگمگا اٹھے گی۔ پس اے نوجوان سپہ گر، میں تیرا خیر مقدم کرتا اور آگاہ کرتا ہوں کہ تجھے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے اپنی کمزوریوں کو خیرباد کہنا ہے، یہاں تک کہ تجھے وہ درجہ حاصل ہو، کہ تیری سفید دستار طرہ اعزاز سے آراستہ کی جائے لیکن باور کر کہ میرے الطاف، میری برکتیں تجھ پر نازل ہیں اور ہمیشہ رہیں گی!''

دربار ختم اور درباری رخصت، مگر ان میں سے ہر ایک دل اس صدا سے معمور ہے! نوجوان طبقہ اگر دربار کی عظمت، اسلحہ جنگ کی آب و تاب اور دوشیزگان حرم کی نیم نگاہیوں سے سرشار و مسحور ہے تو سن رسیدہ جماعت اطمینان و صداقت کے جذبات سے لبریز ہو کر زمانہ موعودہ کے تصور میں غرق نظر آتی ہے، اور صنف نازک پیغمبر خراسان کی تجلی بار پیشانی پر ایک نظر ڈال لینے کے لیے اپنے حسن و جمال کی قربانی پر تیار!

لیکن اس عالم اعتقاد و یقین اور دنیائے امید و توقعات میں ریشمیں پردوں کے اندر منتخب اور برگزیدہ نازنینان حرم کے ہجوم میں ایک دوشیزہ ایسی بھی تھی جس کی روح اس نمائش اور تماشے کے کذب سے پامال ہوئی جا رہی تھی اور اس کے جھوٹ اور فریب سے پسی جا رہی تھی! اور جس وقت عظیم تخت پیغمبری کے بوسے کے لیے جھک رہا تھا، اس لڑکی کی نظر عظیم پر پڑی اور ایک ضبط نہ ہو سکنے والی چیخ اس کے منہ سے نکل گئی۔ حوران ارض کی جماعت نے اس کے ملال و غمگینی پر حیرت ظاہر کی، تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا! مگر وہ کیا جانتی تھیں۔ کہ زلیخا اس نوجوان کو پہچانتی ہے اور اسے دیکھ کر وہ خدا جانے کس عالم میں پہونچ گئی ہے؟

(۲)

آہ زلیخا! ایک وقت وہ تھا کہ عظیم کی ہر نگاہ تیرے نازک دل پر مسرت کا ایک نشاں چھوڑ جاتی تھی، اور تیرا شوق سے بھرا دل ان دعاؤں سے لبریز ہوتا تھا کہ اس کی ایک نگاہ غلط انداز ہی تجھ پر پڑ جائے، اس کے لبوں سے نکلی ہوئی کوئی آواز ہی تجھ تک پہونچ جائے اور تو ایک ہی لمحے کے لیے اس فضا میں اپنی زندگی بسر کر سکے۔ جہاں وہ سانس لے رہا ہو! ایک وقت وہ تھا کہ اس کی ہنستی تیری نظروں کے لیے ایک طلسم دلکشی تھی اس کی ہر حرکت میں تجھے ایک غیر معمولی جلوہ نظر آیا کرتا تھا!

آہ، کیا ہی آسودہ تھا وہ وقت کہ تیرے ہار کا کوئی پھول تیرے زیور کا کوئی نگین، اگر اس نے چھولیا ہے تو اس گھڑی سے وہ پھول، وہ نگین، تیرے لیے ایک مقدس چیز بن جاتا تھا!

اف، وہ بھی کیا ساعتیں تھیں، جب تو اس کی ہستی کے تمام جزئیات کا مطالعہ کرنے میں محو ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ اس کا لہجہ، اس کی نگاہیں، اس کی تمام حرکات تجھ میں منتقل ہو جاتی تھیں! تو اس کی آواز میں بات کرتی تھی، تو اس کی لبوں سے ہنستی تھی اور اس کے چہرے کا ہر انداز تیرے چہرے میں منعکس ہو کر نمودار ہوا کرتا تھا! وہ قید سے واپس آ کر اپنے ساتھ زیادہ دلکشیاں لایا ہے، لیکن افسوس وہ دلکشیاں تیرا حصہ نہیں، بلکہ اس کی مراجعت تیرے لیے خوف کی مترادت ہے گویا وہ کسی دوسرے ہی عالم سے آیا اور اس لیے آیا ہے کہ تیرے جرم محبت کی خطا کار روح کو گم گشتہ آسودگی پر سر دھننے کے لیے آزاد چھوڑ دے!

زلیخا نے شباب کو عالم شباب ہی میں رخصت کر دیا تھا! مگر اس کے شباب رفتہ کا وہ فسانہ اب پھر اسے عالم شباب ہی میں سنایا جا رہا ہے! وہ عالم شباب جو ہنوز انھیں معصومانہ حیات و جذبات کے سے معمور ہے! بہار ہستی کی داستان یاس پھر اس کے سامنے دہرائی جا رہی ہے، جس میں اب اس کے لیے حسرت و الم کے سوا کچھ

نہیں رہ گیا ہے اور شاہراہ شباب پر جو کبھی منور رہ چکی ہے اس کے پھر لوٹ آنے کی تمنا کی جاتی ہے! درانحالیکہ آرزوؤں اور تمناؤں کے وہ نشانات قدم، جن کا سراغ اب اسے بتایا جا رہا ہے، عرصہ ہوا کہ فراموش ہو چکے ہیں!

سرزمین بخارا کے باغوں کے کنج اور تاکستان شاہد ہیں کہ کبھی نشۂ خرمی سے سرشار ہونے والی دو ہستیوں کے نشانات قدم سے ان کا چپہ چپہ آباد تھا! اس کے فردوس زا چشموں کے کنارے امتزاج حسن و محبت کے نغموں سے سرشار تھے! آفتاب صبح کی روشنی میں تبسم کرنے والی امواج رود بار اور پھولوں کی جھکی ہوئی ڈالیاں اپنی اچھوتی خوشبوؤں اور رنگینیوں میں، اس فسانے کی تکرار کیا کرتی تھیں، جسے ان دونوں کے شباب نے اس سرزمین پر شروع کیا تھا، مگر لڑائی چھڑ جانے نے اس حیات معاشقہ کا خاتمہ کر دیا تھا! فرزندان فارس مادر وطن کی آواز پر فوجوں میں شریک ہو گئے تھے اور عظیم نے بھی اپنی محبت کی موسیقیوں کو میدان جنگ کی پر ہلاکت آوازوں سے بدل کر زلیخا کی شیریں نگاہوں کے بدلے جنگ کی آتش فشانی، اور محبت کی دل پسند زنجیروں کے بدلے، امواج خون کی رنگین زنجیروں کو اختیار کر لیا اور زلیخا کی مشتاق آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تھا!

روح کی اس بیوگی کے عالم میں زلیخا پر مہینوں پر مہینے گزرتے گئے۔ اس نے اسی پژمردگی و افسردگی کی حالت میں موسم گرما کے آفتاب کو دو بار چکر لگاتے دیکھا، مگر عظیم نہ آیا، اور زلیخا کا دل بدستور یخ بستہ رہا۔ سچ ہے ضیائے خندہ سے روح کو شگفتہ کرنے والی وہ آنکھیں جن کا تار نظر ایک ہی ہوتا ہے، سامنے نہیں ہوتیں تو گرمی کا آفتاب بھی سرد نظر آنے لگتا ہے!

کچھ دنوں تک میدان جنگ سے وقتاً فوقتاً مختلف اور منحوس افواہیں آتی رہیں، لیکن اس آواز میں کہ ''عظیم مارا گیا'' تیر و نشتر کی وہ روانی ہوتی جو زلیخا کی سماعت کو ہر بار مجروح کر جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر کی تمام مصیبتوں سے زیادہ وہ

مصیبت ہے جب تقدیر ایک نوجوان دل کو پہلی بار تنہا اور ویران چھوڑ جائے اور اس تعلق سے محروم کر دے، جس کی وجہ سے وہ زندگی سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اور موت سے خوف! ایسے دل کی ویرانی اس ازیاد رفتہ رباب کی سی ویرانی ہے۔ جو اپنے تاروں کے ٹوٹ جانے کے بعد ایک کونے میں ڈال دیا گیا ہو۔ اور اس کے نغمے اسی کے اندر ہمیشہ کے لیے دفن کر دیئے گئے ہوں!

زلیخا، اس محزوں و دل گرفتہ زلیخا کا یہ غم ایسا تھا جس کے لیے عقل و تدبیر کی کار فرمائیاں بھی بے کار ثابت ہوتی ہیں! اگرچہ وہ یکسر پال غم کے بعد بھی عمر کے ولولہ خیز تقاضوں سے اس غم کو مغلوب کر کے اپنی صحت و شگفتگی واپس لے آئی تھی، مگر اس کے نازک حسیات اب تک مجروح اور سوگوار تھے! ہر چند اس کے قلب میں اب بھی وہی حرکت، وہی حرارت اور وہی لطافت موجود تھی جو اس سے قبل پائی جاتی تھی۔ مگر اب اس کی تمام کیفیتوں پر گمشدگی کی سی حالت طاری رہتی تھی، وہ متبسم بھی ہوتی تھی، ہنستی بھی تھی، مر اس کا تبسم ضیا سے خالی ہوتا تھا اور اس کی ہنسی میں کوئی روشنی نہ ہوتی تھی! جب کبھی وہ اپنا بربط اٹھا لیتی اور گانے کی کوشش کرتی تو اس کی مثال اس بلبل کی سی ہوتی۔ جس کی موسیقی میں مسرت برائے نام اور غم بہت زیادہ ہو!

ابن مقفع کے مبلغین تمام اطراف ممالک میں اس غرض سے روانہ کئے گئے تھے کہ وہ اپنے پیغمبروں کی موعودہ جنات نعیم کے لیے حسین آنکھوں اور عقیق سے ہونٹوں والی خوب صورت دوشیزہ لڑکیاں فراہم کرتے رہیں۔ چنانچہ جب یہ واعظ زلیخا کے ملک میں پہونچے تو اس کے غم زدہ دل میں بھی شوق کی ایک آگ بھڑک گئی اور انتہائے شوق و سرگرمی نے اس پر پورا تسلط پالیا! وہ جنات نعیم کے لیے مقبول کی جائے گی، بہشت کے لازوال قصروں میں قضا و قدر کے منشاء سے کسی برگزیدہ نوجوان کی عروس تجویز کی جائے گی!'' یہ وعدہ اس کے لیے یقین دلانے والا تھا کہ وہ عالم ارواح میں عظیم سے جا ملے گی، وہ عظیم جس کے متعلق وہ سمجھتی تھی

کہ جنگ میں مارا گیا۔ اور اب اس کی روح جنت کے کسی باغ میں صرف اس کا انتظار کر رہی ہے!

مگر افسوس تجھ پر اے زلیخا! تجھے خبر نہیں کہ نازنینان حرم جو باغ ہائے ارم کی آبادی کے لیے لائی جاتی ہیں۔ پہلے مقنع کی سیہ کارانہ خواہشوں کی قربان گاہ پر چڑھائی جاتی ہیں اور وہ تجھے بھی اپنی خواہشوں کی نجاستوں کا شکار بنائے گا! مگر نہیں، امتیاز سلیم کی روشنی بالکل افسردہ ہو کر تجھے ظلمتوں میں نہیں چھوڑ سکتی، تیرے پاس ایک حرز جان موجود ہے جو تیرے قلب صافی پر نقش ہو چکا ہے، وہ تجھے اس معصیت سے محفوظ رکھے گا، تیری عصمت کو بدستور محفوظ رکھے گا، جس کی بربادی محبت کا فنا ہو جانا ہے! لیکن نازک زلیخا کے مزاج میں ایک اشتعال پیدا کیا گیا، اس کے جذبات میں اضطراب نمودار ہوا کیونکہ مقنع کے مکار مبلغوں نے اس کو یہ سنا سنا کر وہ پیغمبر کہ نہایت برگزیدہ اور مخصوص منظور نظر بنائی جائے گی، اس میں ایک خاص قسم کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ زلیخا کے دل و دماغ کے سامنے لذت والم کے مختلف پہلو یکے بعد دیگرے پیش کئے گئے کہ "غمگینی دوام کا نتیجہ جنون ہے، جس کی آگ امید سوز ہوتی ہے، اور مایوس انسان اپنے مدعائے دل سے دوسری دنیا میں بھی محروم رہے گا لیکن وہ اعتقاد جو نقاب پوش پیغمبر نے عالم کے سامنے پیش کیا ہے ایک دعوت مسرت ہے! اور رحمت کی امید لے کر جانے والا انسان بہشت میں اپنے مدعائے ولی سے شادکام کیا جائے گا۔"

زلیخا کے لیے یہ بیانات ایک محفل عشت کے حامل تھے، جہاں اسے معلوم ہوتا تھا کہ ہر طرف موسیقی و شعر سانس لے رہے ہیں اور جہاں کی ہر شے اسے پاک و مقدس نظر آتی تھی۔ وہ اپنی ان شیریں آرزوں اور تمناؤں سے شادکام تھی کہ عظیم کے پہلو میں اس کی عروس بن کر وہ عالم نکہت و تعطر میں مصروف گلگشت ہوا کرے گی!

زلیخا نے جنگ ارضی (حرم مقنع) میں داخل ہو کر عشرت کی فراوانیاں دیکھیں، اور وہ سب کچھ دیکھا جس کا اس سے وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن اس مقام عشرت کی حقیقت کا علم اسے اس وقت ہوا جب اس سے راز داری کا عہد و پیمان لیا گیا، اور اس سلسلے میں وہ ایک جام ارغوانی کے پینے پر مجبور کی گئی۔ اس سے قبل یہ زہر کا گھونٹ ہر ارادت مند کے حلق سے اتر چکا تھا، اور جس کی تلخ لذت زلیخا کے کام و دہن سے کبھی زائل نہ ہوگی! مقنع نے زلیخا کو اپنے عہد و پیمان کی تاریک بندشوں میں مقید کر لیا، اس سے یہ عہد لے لیا کہ زلیخا اس وقت تک، جب تک کہ مقنع کی پر اسرار ہستی صفحہ دنیا پر موجود ہے، جس وقت تک نیلی چھت ان دونوں کے سروں پر قائم ہے، اپنی قسم کے مطابق (جس میں زمانہ بھر کی ملامتوں کی خوف ناک شکلیں پیدا کر دی گئی تھیں) رنج و الم، مسرت و انبساط غرض کی حالت میں مقنع کے پہلو سے جدا نہ ہوگی! چنانچہ اس منحوس گھڑی کے بعد سے زلیخا تمام تر مقنع کے پہلو سے جدا نہ ہوگی! چنانچہ اس منحوس گھڑی کے بعد سے زلیخا تمام تر مقنع اور اس کے مذہب کی ملکیت ہوگئی اور اب وہ اپنے تئیں ایک برباد شدہ لڑکی سمجھتی تھی! البتہ اس کا دل و دماغ کبھی کبھی گرم ہو جاتا تھا جس وقت حرم کی پری جمال لڑکیاں اسے خاتون رسالت کہہ کر مخاطب کرتی تھیں، اس کی حسین و خوب صورت آنکھوں سے نور کی جھلک نمودار ہو جاتی تھی! جب حوران حرم اس کے سامنے سجدہ عبودیت میں گر جاتی تھیں، اس کے نرم و نازا عضا میں جنبش پیدا ہو جاتی اس وقت یہ معلوم ہوتا کہ شاخ گل سے کوئی بلبل اڑ کر چلی گئی ہے! جب وہ مسکراتی، تو اس کے پنکھڑی سے لبوں کا خم، دلوں کے لیے ایک نوید سرور بن جاتا! وہ بعض اوقات حالت انفعال میں بھی نظر آتی، مگر اس بہشت کی تابش کا تخیل جس پر زلیخا کو کوئی قابو نہ تھا، پھر اس کو مغلوب کر لیتا، اور اس کے خرمن دل پر، جو یقیناً خاکستر ہو چکا تھا۔ پھر بجلی سی کوند جاتی!

یہ تھا زلیخا کا حال اور کس قدر مبتائن تھا اس کے ماضی سے، جب کہ چند ہی سال قبل بادام کے درختوں کے جھنڈ میں زندگی کی تمام مسرتوں کے ساتھ وہ عظیم کے پہلو بہ پہلو بھرا کرتی تھی! لیکن آج جب اس نے دیکھا کہ وہی عظیم جس کو وہ مردہ سمجھ کر اپنے سارے اشک حیات ختم کر چکی تھی، زندہ اور متحرک، اس کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ تو اس پر ردعمل کی کیفیت طاری ہوگئی، اور وہ تھوڑی دیر کے لیے ہوش وحواس سے بیگانہ نظر آئی۔

(۳)

یاس اور سرگشتگی کے عالم میں جب ذہن ماؤف ہو جاتا اور اس کی طاقت عمل میں آثار حیات باقی نہیں رہتے تو ناگہاں عقل و تدبیر کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر قائم ہو جاتا ہے! جس وقت دماغ مایوسی کی تاریکیوں کا مسکن ہو جاتا ہے تو آفتاب عقل کی شعاعیں یکبارگی داخل ہو کر اسے منور کر دیتی ہیں! محاصر افواج جب خستہ و مضمحل ہو جاتیں اور کوئی صورت کامیابی کی باقی نہیں رہ جاتی ہے تو قلعہ کے اندر ہی سے ایک غیر متوقع صورت امداد کی پیدا ہو جاتی اور دماغ میں ایک صحیح و سحر کارانہ خیال پیدا ہو کر قلعہ کا دروازہ محاصرین کے لیے کھول دیتا ہے! پھر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کیونکر ہوتا ہے اور کون کرتا ہے؟ کاش یہی صورت اے محزوں دوشیزہ تیرے لیے بھی پیدا ہو جاتی! ہر چند تیرے لیے ایک شعاع نور نمودار ہو رہی ہے۔ مگر اس میں رہنمائی کی استعداد نہیں! وہ مضطرو بے تاب موجوں پر چمکتی تو ہے مگر ساحل عافیت کو پیش نظر نہیں کر سکتی!

خوشی و مسرت کی وہ ساعتیں جن کو گم ہوئے ایک مدت گزر گئی تھی، وجود محبوب کے نظارے کے ساتھ ہی بے تابانہ صورت سے زلیخا کے دل و دماغ میں پھر داخل ہوتی ہیں، لیکن افسوس! یہ فوری خیال کہ اس کی روح ذلت و ضلالت میں جا پڑی ہے، اور وہ خبیثانہ افعال کی رازداری کا عہد کر چکی ہے، زلیخا میں دیوانگی کی سی کیفیت پیدا کر دیتا ہے وہ ایک روحانی لرزش کے ساتھ زنجیروں کی بندشوں کا احساس کرتی ہے اور اس پر نزع کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے!

مگر با ایں ہمہ امید کی جھلک بھی کبھی کبھی نمودار ہو جاتی ہے اور گرم آنسوؤں کا ایک سیل جو اس کے دل پر عرصہ ہوا برف کی طرح جم کر رہ گیا تھا، چشموں کی طرح جاری ہو جاتا!

زلیخا کی طلبی کا پیغام آتا ہے کہ مقنع کے حجرہ عبادت میں حاضر ہو۔ یہ وہ غرور

آفریں پیغام طلب ہے جس کے سننے کے لیے حریم حسن کی ہر خاتون (سوائے زلیخا کے) سراپا شوق و انتظار بنی رہتی ہے مگر غمگین اور مغموم زلیخا سہم کر رہ جاتی ہے۔ مقنع کی عبادت گاہ چھوٹے سے پرفضا چمن میں، کنار آب واقع ہے، جہاں وہ شام کے بعد داخل ہوا کرتا ہے اس خلوت کدے میں کبھی کبھی کسی دوشیزہ کو لے جانے کا فخر نصیب ہو جاتا ہے۔

کچھ عرصہ سے زلیخا کے علاوہ کسی نازنین حرم کو یہ فخر حاصل نہ ہوا تھا۔ اس اولین شب عید کے بعد جب اس مکان میں وہ نامقدس الفاظ حلف گونجے تھے، جن کے زیر اثر زلیخا قطعاً اور ابداً مقنع کے حکم اور اشارے کی کنیز بن چکی تھی، خادع اور مکار پیغمبر ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی روح کو بے نقاب کر چکا اور ایسے ناپاک اور وحشیانہ کلمات اس کی زبان سے نکل چکے تھے، جن سے زلیخا کو نہایت خوفناک اندیشے پیدا ہو گئے تھے، تاہم شوق و تمنا کے جوش اور عظیم کی روشن پیشانی کے تصور نے (جس کی رونق زلیخا کے خیال میں ہنوز مرتسم تھی) اس کو بالکل مایوس نہ ہونے دیا تھا، اور وہ سمجھتی تھی کہ جب اس کی روح ان مصائب سے گزر کر اور زیادہ صاف و پاکیزہ ہو جائے گی، تو عظیم اس کو مل جائے گا اور اس کے پر محبت آغوش میں پہنچ کر ان تکالیف کی تلافی ہو سکے گی۔ مضمحل و ملول زلیخا شام کے جھٹپٹے میں، مقنع کے محل عبودیت کی طرف جا رہی ہے۔ مقنع اپنے شیطانی عزائم میں اس درجہ محو ہے کہ وہ اپنے صید زبوں کی غمگین حالت بھی معلوم نہ کر سکا۔ وہ مطلق نہیں سمجھ سکا کہ زلیخا جو اس سے قبل اک پری کی طرح اڑتی ہوئی داخل ہوا کرتی تھی، کیوں سوگوارانہ چل رہی ہے اور اب اس کی نگاہ میں وہ بات کیوں نہیں کرتی ہے جو اپنے چاروں طرف کی فضا کو ملتہب و تپان بنا دیا کرتی تھی؟

مقنع ایک تخت پر نقاب ڈالے ہوئے لیٹا ہے، فانوس روشن ہیں اور ان کی روشنی میں ایک خاص نرمی پائی جاتی ہے۔ اس کے قریب ایک کتاب اور تسبیح رکھی ہوئی

ہے اور پاس ہی چند صراحیاں اور پیالے نظر آتے ہیں، جو طلائی رنگ کی شراب انگور، شیراز کی آتش سیال سے لبریز ہیں اور جس میں اس کے مستور ہونٹ وقتاً فوقتاً جرعہ کشی کر رہے ہیں۔

جرعہ کشی اور اپنے خیال میں وہ اس قدر منہمک ہے کہ زلیخا کے قریب پہونچ جانے پر بھی اس کو خبر نہ ہوتی، اور وہ اپنے تسلسل خیال میں ایک مکروہ ہنسی کے ساتھ خود بخود کہنے لگتا ہے۔

''ذلیل انسان! تیرا بہترین مصرف دوزخ کی آگ کو روشن رکھنا ہے! تو اس درجہ ذلیل ہے کہ دنیا میں تجھے دخل نہ ہونا چاہیے تھا اور اس پر تو طلب گار نعیم ہے! تو خدا کے مجسمے بناتا اور ان کو خدا سمجھتا ہے! تو خوف ناک اور کریہ المنظر جانوروں کو معبود سمجھتا ہے اور ان کی پوجا کرتا ہے! اے ضعیف مخلوق، جس کا مدار حیات ایک کمزور سانس پر ہے، اے مٹی کے کھلونے، جس کو شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، عنقریب میرا قدم تیری دغا باز نسل کی گردنوں پر ہوگا اور میں شدت نفرت و کثرت غضب کے ساتھ اپنی ذلت کا انتقال لوں گا! وہ ذلت جس میں میں مدت سے برداشت کر رہا ہوں! وہ نفرت جس کی میں عرصہ سے پرورش کر رہا ہوں! ہاں میں ذلیل ہوں کہ انسان کہلاتا ہوں، اور وقت آ گیا ہے کہ میں ذلیل اور کمزور انسان ہی کو اپنا آلۂ کار بنا کر اس ملعون نسل سے اپنا انتقام لوں!''

''وہ گمراہ انسان جو اپنے تئیں حکیم و فیلسوف کہلاتا ہے، ایک ویران راستہ کی تلاش میں ہے اور اس چور کی طرح جو مردوں کی ہڈیوں کی چمک کو اپنا بہترین راہنما سمجھتا ہے۔ یہ تو ہم پرست گروہ بھی مستقبل کی دھندلی روشنی میں دولت و عزت ڈھونڈتا ہے! سنجیدہ بیوقوفو! میں جانتا ہوں کہ تمہاری عقل و حکمت قطعاً بے کار ہے۔ میری تاب ضبط کے لیے ہنسی کا روکنا دشوار ہوگا۔ جب مظفرانہ طبل کی آوازوں میں، میں ان غلامان عاقل کے خطبات و مواعظ کی تغلیط کروں گا ان عقلاء و حکماء

کے اختیارات وحکمت کو خرید لوں گا! ان کی دانائی وفراست سمٹ کر ایک بایک نقطہ بن جائے گی، جس کو میں اپنی خنجر کی نوک سے ڈھک لوں گا۔''

''نامعتبر اور مصنوعی مذاہب پر ایمان لے آنے والو! اپنے اوہام پر آنکھیں بند کر کے اعتقاد لے آنے والو، اپنی ارادت مندیوں کی بیہودگیوں سے آسمانوں کو چھپا دینے والو! تمہارے لیے ویسی ہی معجزات بھی مہیا کیے جائیں گے جو دیکھے جا سکیں گے! سنے جا سکیں گے اور آزمائے جا سکیں گے۔ تمہارے مبلغین، جن کے جوش عقیدت کی شدت کا یہ حال ہے کہ جس چیز کا وہ وعظ کرتے ہیں اس کی حقیقت سے بمقدار ایک ذرہ بھی آگاہ نہیں، تمہارے غازی جو اس صداقت کو جس پر وہ اپنے خون کا آخری قطرہ نثار کرنے کے لیے آمادہ و تیار ہیں، اپنی فہم سے بتہ بلند و بالا خیال کرتے ہیں، اور تمہارے امام و علماء جو سواحل آوا کے ان پیشوایان مذہب کی مانند ہیں جو سنگ رخام کو اس لیے فروخت کرتے ہیں کہ ان سے بت تیار کئے جائیں، ہاں، ان سب کے سامنے سربسر راز پیش کئے جائیں گے، ان کے روبرو مکروفریب کے مقدس پتھر ڈال دیئے جائیں گے، تاکہ یہ غلامان دنیا ان سے اپنا سر پھوڑا کریں! ہاں، تمہارے لیے اے مٹی کے سرداروں، خلد بریں بھی مہیا کی جائے گی! اے ارواح سادہ! تمہارے لیے ایک شاندار بہشت تیار کی جائے گی! کیونکہ ایک پیغمبر، اپنی دعوت صداقت کو زندہ نہیں رکھ سکتا جب تک وہ کوئی ایسا وعدہ نہ کرے جو ہر مذاق و ہر طبیعت کے لیے موزوں و مناسب ہو! وہاں نوجوانوں کے لیے حوروں کا ہجوم اور سب لوگوں کے لیے عشرت و نشاط کی کثرت بھی ضروری ہے! اے ہرزہ کار ہستیو! تم نہیں سمجھتے کہ ہر شخص کی جنت و دوزخ خود اس کے داعیات کے مطابق ہوتی ہے!''

''آہ میری روح برباد!'' لرزہ بر اندام زلیخا سے مضطربانہ ایک چیخ نکل جاتی ہے۔

مقنع گھبرا جاتا ہے۔ ہر چند کہ اس کے لیے خوف وخطر وضع ہی نہ ہوئے تھے۔تاہم اس کے لیے یہ غم ناک الفاظ، ایک ایسی آواز کا نکلنا اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ دغاباز مقنع اپنی برجستہ مکاری کو کام میں لاکر اس سے کہتا ہے۔

''آہا، میری محبوب جمیلہ، تو ہے؟ جس کے تبسم کی گلابی شعاعیں تیرے پیغمبر کے خوابوں کی رسائی سے باہر ہیں اے ماہتاب ملت، اے تو وہ، جو جوش مذہبیمیں محبت کی سرگرمیوں کو شامل کر دیتی ہے اور لوگ تمیز نہیں کر سکتے کہ وہ ان دونوں جذبوں میں سے کس کے زیر اثر ہیں اور نہیں سمجھ سکتے کہ ان دونوں میں سے کس کی آرزو کریں! آیا ان جنتوں کی جن کا وعدہ ان سے کیا گیا ہے، یا تیری، جو خود ایک مستقل فردوس ہے! اگر تو نہ ہوتی تو میں کیا تھا؟ تیرے بغیر میری طاقت عظمت پر اداسی چھائی ہوتی، اور میری فتوحات میں کوئی خوشی نہ ہوتی۔ میرے جھنڈوں کے حامل اگر فرشتے بھی ہوتے تو ان پر تیرا تبسم ضیاپاش نہ ہوتا تو ان میں یہ سماویت کبھی پیدا نہ ہوسکتی۔لیکن یہ غمگینی کیوں ہے؟ تیری آنکھیں جن سے گذشتہ شب تک زندگی برستی نظر آتی تھی۔اس وقت ان کی رعنائی کیا ہوئی؟ میں جانتا ہون کہ آج دن کی تکان نے انھیں مضمحل کر دیا ہے اور انھیں پھر روشن کئے جانے کی ضرورت ہے۔ جو چیز میں تجھے دیتا ہوں، آفتاب کے پاس بھی نہیں ہے۔شہاب ثاقب بھی چشمۂ نور سے یہ رونق نہیں لاسکتا، اس پیالے میں یہ خیال نہ کر کہ مائیات عالم میں سے کوئی شے ہے، نہیں بلکہ یہ نہر سلسبیل کا (جس کی تہ عقیق وزبرجد کی ہے) زلال ہے! ہر شب میرے موکل ان برتنوں کو اس مقدس پانی سے بھر جایا کرتے ہیں! آج تو بھی اس شراب مطہر سے کامران ہوگی! لے، پی جا، اس کے ہر قطرہ میں ایک تازہ روح پنہاں ہے۔ جو تجھے شراپا شعلہ اور تیری آنکھوں کو یکسر نور بنا دے گی! اس کو پی، کیونکہ آج میں تیرے تبسم کی نشہ بخشیوں کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔تو جانتی ہے کہ آج ایک نوجوان آیا ہے، کیوں؟ تو گھبرا کیوں گئی؟ ہاں معلوم ہوتا ہے تو نے بھی

اس کو دیکھ لیا ہے۔تو نے دیکھا وہ کس قدر عالی شان معلوم ہوتا ہے! یہ جوان آسمانی جنتوں میں تیرے لیے مقدر ہو چکا ہے، ہر چند میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ اس کے خیالات محبت کی طرف سے نہایت خشک و درشت ہیں مگر اس پر تجھے فتح حاصل کرنا ناگزیر ہے!

''اے حسینہ! احتراز نہ کر، تو آسمان کے سربستہ رازوں کو نہیں سمجھ سکتی۔فولاد کے لیے اس سے قبل کہ وہ اسلحہ کی تیاری کے واسطے کارآمد ثابت ہو کر کسی بہادر کی زیبائش دوش و کمر ہو سکے، آگ میں تپایا جانا ناگزیر ہے! آج کی شب، میں حسن و جمال کی سحر کاریوں کا تجربہ اس نوجوان پر کرنا چاہتا ہوں۔میرے حریم مقدس کا مایۂ ناز نمونہ ذہانت و شباب، پیکر فرزانگی و حسن، جس کی نفاست و عدیم المثال اور مسلم ہے اس نوجوان کو رام کرے گا!''

''نشہ شباب سے مست رہنے والی آنکھیں، جن پر خمار آلود پپوٹے اس طرح جھکے رہتے ہیں، جیسے بنفشے کے پھولوں پر برف کی ہلکی چادر، تابناک رخسارے جن کی حرارت ایسی محسوس ہوتی ہے جیسے بہار میں صبح نکلنے والے آفتاب کی گرمی، لبہائے نازک، جو اپنے مس میں وہی کیفیت رکھتے ہیں جو مہر سلیمان میں پائی جاتی تھی وہ خرام ناز جس سے موسیقی کے بہترین نغمات سیکھے جا سکتے ہیں اور تمام وہ لطافتیں اور دلربائیاں جو کسی بہشت میں پائی جا سکتی ہیں، میرے نئے معتقد کے لیے درکار ہیں، تاکہ اس کے قلب کو نرم کر کے مذہب کی مہر کو زیادہ آسانی و استحکام کے ساتھ ثبت کر سکیں! پھر اے زلیخا، سن! اگرچہ میرے حرم کی ہر دوشیزہ اپنے اندر کوئی نہ کوئی مخصوص انداز دلربایانہ رکھتی ہیں، ان کی ہر ہر ادائے نگاہ، آئینے کے مقابل آزمائی گئی ہے، لیکن میں ایسی ناز پرور اور غمزہ طراز حسینہ چاہتا ہوں، جس کی ہر ادا سحر پرور اور جس کا ہر عشوہ ایک مستقل افسوں ہو۔ایک ایسی دوشیزہ چاہتا ہوں، جس کی تمام ادائیں اور جس کے تمام دلربائیاں ایک مرکز سے ہو کر گزریں اور اس

جوان کے دل کو مسحور کر لیں۔ ہاں، آج مجھے ایک ایسی ہی پری جمال اور فتنہ پرداز نازنین کی ضرورت ہے اور ایسی ہستی، زلیخا تو اور صرف تو ہو سکتی ہے!''

زلیخا کی کافوری انگلیاں آپس میں پیوست ہو جانا چاہتی ہیں، اس کے ہونٹوں کی سرخی زردی میں بدل جاتی ہے، وہ ششدر، سراسیمہ کھڑی، نقاب پوش مقنع کو دیکھ رہی ہے، لیکن مقنع نے جو کچھ کہا تھا وہ اس اعتماد کے ساتھ کہ گویا زلیخا کے اس غصہ معصوم کو اس نے دیکھا ہی نہیں!

جس وقت سے مقنع نے اپنی تقریر شروع کی تھی، زلیخا کی حالت بدلتی جا رہی تھی اور مقنع اس تغیر کو محسوس کرنے کے بعد بھی تجاہل سے کام لے رہا تھا! لیکن جب اس نے یہ کہا کہ ''تو اور صرف تو ہو سکتی ہے''! تو زلیخا بے اختیار ہو کر چیخ اٹھی۔

''یہ کبھی نہ ہو سکے گا! خدایا کیا میری تقدیر یہ ہے؟ کیا میری تمام آرزوئیں، آسمانی برکتوں کے تمام خواب، میری عفت کیشیاں اور میرا افتخار، یہ سب اس لیے تھیں کہ میں ایک شیطان مجسم کا آلہ کار بنوں؟ اس کی معصیت کاری کا حیلہ بنوں؟ کیا میرا مقدر یہ ہے کہ میں نہ صرف خود بلکہ دوسروں کو بھی قعر مذلت میں جہنم آسا طوفان آتشیں میں غرق کروں؟ اور دوسرا بھی کون؟ وہ جو آج ہی آیا ہے! آہ کیا میں اس کے عشق میں فنا نہیں ہو چکی ہوں؟

مقنع۔ خبردار! اے ہذیان مجسم، ہوش میں آ! وقت سے پہلے ہوشیار ہو جا! ایسی بات منہ سے نہ نکال، جس کا سننا میں تیرے منہ سے بھی کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ جا اپنے رباب، اپنے لحن دلنواز کا جادو اس جوان پر آزما۔

میں تیرے اس شعلہ غیظ کو بھی پیار کرتا ہوں۔ جس نے تیری آنکھوں کو اور زیادہ تاب ناک بنا دیا ہے۔ اگر یہ نوجوان تیرے محبوب سے (جو مر چکا ہے)'' مشابہ ہے تو یہ بات تیری کامیابی میں اور زیادہ معاون ہو گی! غصے کو دور کر، تیری آنکھیں محبت کا مسکن ہیں، غصے کا نہیں۔ میرا حکم مانا جائے گا!''

زلیخا۔ حکم مانا جائے گا؟ ہرگز نہیں! بے شک میں ہر لعنت کی مستحق ہوں۔ لیکن عظیم، شجاع و وفادار، حسین و جمیل عظیم! کیا اسے بھی برباد ہو جانا چاہیے؟ کیا اسے بھی گمراہ و بے دین بنایا جائے؟ نہیں، میں اسے تباہی کی طرف کبھی دعوت نہیں دوں گی۔ !وہ پیکر صداقت ہے، تمثال پاکیزگی ہے، اسے کبھی برباد نہ ہونے دوں گی۔ اے شیطان رجیم، تیری ساحرانہ مکاریوں کا جہنمی پیالہ اسے راغب نہیں کر سکتا! تیری نجس جنت کی رہنے والیاں، اپنی عشوہ فروشیوں سے اس کے دل کو نہیں لبھا سکتیں! کیونکہ اس کا دل عشق کے مقدس جذبے سے معمور ہے اور وہ اس بے حیائی و بے غیرتی کے حملے کی کامیاب مدافعت کر سکتا ہے۔ گو میں تیری کارگاہ مکر و فریب میں مبتلا ہوں مگر اب بھی اس کے دل کی ملکہ ہوں، اور اس طرح پاک و بے عیب حکمرانی کرتی رہوں گی، جس طرح محبت کے اولین موسم بہاراں میں کرتی تھی اور ہر چند میں خود تباہ و برباد ہوں، لیکن میں اس کے لیے محافظ فرشتہ ہوں! اے کاش اسے علم نہ ہو کہ جس پیشانی کا اس نے الوداعی بوسہ لیا تھا، آج کس درجہ پست و ذلیل ہے! وہ کبھی نہ جانے کہ وہ ہستی جس کے ساتھ وہ کبھی محبت کرتا تھا کس قدر مکروہ و مبتذل ہے! موذی، تو ہنستا ہے، تو مجھے اس کے سامنے رسوا کرے گا۔ میرے نام پر داغ لگانا چاہتا ہے؟ یہ بھی کر دیکھ! وہ کسی ایسی بات کو جس سے اس کی زلیخا کی توہین و تذلیل ہو۔ قیامت تک باور نہ کرے گا! میری پاکیزگی اس کے دل میں منقوش ہے، اور وہ سمجھتا ہے کہ خدا کی اس سقف نیلی کے سائے میں مجھے کوئی شے تبدیل نہیں کر سکتی! آہ میں بھی اپنی نسبت کبھی ایسا ہی یقین رکھتی تھی، مگر اب وہ یقین محض ایک خواب ہے! میری زندگی کیسی ہی خراب کیوں نہ ہو جائے، لیکن مجھے یہ بھی گوارا رہے، اگر وہ اس کو نہ جانے! میں دنیا کے کسی ایسے گمنام گوشے میں جا چھپوں گی، جہاں میری زندگی میں آفتاب کی روشنی بھی مجھے نہ دیکھ سکے گی۔ جہاں مجھ سے کوئی سوال کرنے والا نہ ہوگا۔ اور جہاں میں اپنی گمنام اور افسردہ ہستی کو فنا

کر دوں گی۔ اور تو اے ملعون رحیم (جس نے اپنی خباثتوں کی تباہ کن اور ناپاک آگ سے میری روح و جسم کو جلا دیا ہے اور مجھے مردود و ملعون بنا کر میری زندگی کو عذاب و دوام میں تبدیل کر دیا ہے اور اب اپنی ابلیسانہ حکمتوں سے اسے اور وسعت دینا چاہتا ہے، جب میں اس ناپاک فضا سے دفع ہو جاؤں تو)

مقنع: بس! بے خوف دیوانی خاموش! میرے غصہ و غضب کو مشتعل نہ کر۔ خدا جانتا ہے۔ اتنی بے خوف تو وہ حقیر چڑیا بھی نہیں ہوتی، جو اپنے تئیں ایک مگرمچھ کے کشادہ جبڑوں کے اندر ڈال دیتی ہے! کیا تو فی الواقع یہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہے؟ ان اچھوتے محلات حرم کو جہاں تو دربار عشق اور بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو کر، ملکہ کی سی زندگی بسر کر رہی ہے، ترک کر دینا چاہتی ہے؟ یاد رکھ! میرے پنجہ سے نکلنا تیرے لیے اتنا ہی دشوار ہے جتنا کہ حشرات الارض میں اس کیڑے کے لیے جس پر ایک زہریلا سانپ اپنی نظریں جما چکا ہے! جو چیز مقدر ہو چکی ہے خواہ نیک ہو یا بد اس کا بدل جانا کیونکر ممکن ہے؟ تو تا زیست میری ہے اور تا بہ مرگ مقنع کی معشوقہ رہے گی! کیا تو اپنا عہد اپنا قول بھول گئی؟''

ہر چند کہ زلیخا کے لیے اب کوئی امید باقی نہیں رہ گئی تھی اس کی مایوسیاں مکمل ہو چکی تھیں۔ اور وہ نوشتۂ تقدیر پر شاکر بھی نظر آتی تھی، لیکن اس وقت مقنع کے ذلیل و بیہودہ طعن و تشنیع سے اس کی روح یکسر اضطرار بن گئی اور مقنع کے تنفس کی سمیت نے جو حقیقتاً اک برق جاں سوز تھی، اس کے چہرہ پر موت کا غازہ مل دیا۔

مقنع: میری عروس مخصوص! تمام دوشیزگان حرم صرف اپنے اپنے حجلوں کو مقام عروسی سمجھتی ہیں، لیکن تیرا مقام عروسی تو وہ خاص حجرہ ہے جہاں مجھ پر اسرار غیب نازل ہوتے اور جس کے دروازوں پر خوف ناک روحیں پہرہ دیا کرتی ہیں، جس وقت ہمارا عقد ہوا تھا، موت کی شمعیں جھلملا رہی تھیں اور نیک روحیں اپنے نورانی کفن پہنے ہوئے ہمارے عقد میں شریک تھیں! اے ملکہ، رعشہ براندام کیوں ہے؟

کیا میرے نہاں خانۂ خاص کی شراب رنگین کا وہ جام جس پر ہمارا پیمان عقد باندھا گیا ،جس نے تجھے میرا پابند بنا دیا، جس نے تیری روح اور تیسرے جسم کو میری ملکیت کر دیا، بہت تلخ تھا؟ ایک بہت مضبوط زنجیر تیری ہستی کو جکڑے ہوئے ہے، اب وہ متبرک ہو یا منحوس، اس گرہ کو تو تو آلات دوزخ بھی نہیں کھول سکتے! پس زلیخا، اب تو حرم میں جا اور خوش و خرم نظر آ۔ اور یہ حزن و ملال کا رنگ دور کر دے ہاں! ذرٹھہر، ایک بات اور! آج کی رات جو واقعہ گزرا۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ بالآخر میرا راز تجھ پر روشن ہو گیا ہے، تو اب سب کچھ جانتی ہے اور مجھے میری حقیقی روشنی میں جانتی ہے! اے پر جوش لڑکی! کیا تو نے ہر بات کو صحیح اور ہر چیز کو واقعی تصور کر لیا تھا؟ تو نے یقین کر لیا تھا کہ میں نوع انسان سے محبت رکھتا ہوں؟ یہ اب بھی صحیح ہے مجھے نسل انسانی کے ساتھ ہمدردی ہے میں اس سے محبت رکھتا ہوں مگر وہ ہمدردی و محبت جو ایک شکاری کو اپنے شکار کے ساتھ ہوتی ہے اب جبکہ تو میرے بطون کے ایوان ملکونیت کو دیکھ چکی ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ یہ شکل و شباہت بھی تیرے لیے نقاب کے اندر نہ رہے۔ یہ پیشانی جس کا نور ساوی تیری برگزیدہ آنکھوں کے لیے محفوظ رکھا گیا ہے۔ یہ چشم سحر آگیں جس کی مخفی طاقتوں کے سامنے تو نے دیکھا ہے کہ لرزہ بر اندام انسان کس طرح جبین عبودیت جھکا دیتا ہے، تیرے لیے بے حجاب ہو جائے! ادھر مڑ، اور دیکھ! اگر تو پھر بھی متحیر ہو تو ہو، کہ میں قدرت کے ان ستم ایجاد و ستم ظریف ہاتھوں سے، جنھوں نے مجھے ایسا بد ہیئت اور کریہ المنظر بنا کر اس دنیا میں بھیجا، کیوں متنفر ہوں؟ اور میں نے کیوں گناہ کو ذریعہ انتقام بنایا ہے؟ اگر تیری قوت فیصلہ اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ میری کراہت میں ذرہ برابر بھی اضافہ کر سکتی ہو تو اپنا شدید ترین فیصلہ بھی صادر کر کے دیکھ لے!!''

یہ کہتے ہوئے مقنع اپنا نقاب الٹ دیتا ہے۔ زلیخا آہستہ آہستہ مڑتی ہے، اس کی نظر مقنع کے چہرے پر پڑتی ہے اور خوف ناک چیخ مار کر بے ہوش، زمین پر گر پڑتی

ہے۔

یہ فسانہ یہیں تک بیان ہوا تھا کہ لال رخ پر نیند کا غلبہ ہوا اور بادل ناخواستہ مثنوی کو نا تمام چھوڑ دیا گیا۔ صبح ہوتے ہی قافلہ شاہی روانہ ہوا۔ شام کو جب منزل پر پہنچا تو ایک عجیب سماں پیش نظر دیکھا۔

درختوں کے جھنڈ، ابریشمی قندیلوں سے آراستہ کیے گئے تھے جن کے لیے ایک چینی صناع خاص طور سے بھیجا گیا تھا، شاہزادی کی قیام گاہ کے چاروں طرف اور تمام راستوں میں بانس کی دیواریں اور دروازے تیار کر کے عجیب وغریب صناعی سے کام لیا گیا تھا کہ دھوکے سے ہر چیز نہ صرف مستقل اور حقیقی نظر آتی تھی بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ دھوکے کے محلات اس مقام پر منتقل کر دیے گئے ہیں۔ اور ان کے گنبد و مینار، محرابیں اور کلس رنگین روشنیوں سے منور ہیں۔ درختوں کی ٹہنیوں میں قمقموں کی وجہ سے تمام منظر پر ایک طلسمی کیفیت پیدا تھی اور یہ حصہ زمین پریوں کے رہنے کی جگہ معلوم ہوتا تھا۔

شاہزادی لالہ رخ، عظیم و زلیخا کے دردناک فسانے سے کچھ اس درجہ متاثر تھی کہ وہ اپنے دماغ کو مشکل سے کسی اور بات پر صرف کر سکتی تھی اور اگر اس کے ذہن میں کچھ جگہ باقی تھی تو وہ فسانہ گو کے حصے میں آ چکی تھی۔

چینی صناع کی بدقسمتی تھی کہ شاہزادی نے اس کے کمال فن سے دلچسپی نہ لی اور جلدی سے خیمۂ شاہی میں داخل ہو گئی۔ فضل الدین بھی بہ مجبوری شاہزادی کی مشالعت میں خیمے کے اندر داخل ہو گیا۔ مگر اسے افسوس تھا کہ شاہزادی نے اس نمائش صنعت اور منظر چراغاں سے کوئی لطف نہ اٹھایا۔

نوجوان فسانہ گو فوراً طلب کیا گیا، اور قبل اس کے کہ فضل الدین کسی بات یا سوال میں وقت ضائع کرتا، شاہزادی نے فسانے کا باقی حصہ سنانے کا حکم دیا۔ فرامرز نے سلسلے کو پھر یوں شروع کیا۔

''اے عظیم، اے تصویر مردانگی! تو نے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی شہامت کا ثبوت دیا اور ان کے شدید حملوں کی مدافعت کی ہے، تو نے دنیا کے صعب ترین حالات میں دشمنوں سے اپنی شجاعت کا اعتراف کرالیا ہے۔ مگر تیار ہو جا کہ آج تیرا شدید ترین امتحان ہونے والا ہے۔ آج تو حریم مقنع میں داخل ہوگا، جہاں ہر حصۂ زمین کا حسن اپنی عشق انگیز نگاہوں سے تجھ پر تیروں کی بارش کرے گا۔ جہاں مہلک ترین نشتر تجھ پر آزمائے جائیں گے اور جہاں عشق کے دیوتا کے پاس ہر رنگ و ادا کا حربہ تجھ پر صرف کرنے کے لیے مہیا ہوگا! پھر، کون کہہ سکتا ہے کہ وقت پر کون سا خنجر، کون سا تیر س کے ہاتھ آ جائے؟ گھنی اور دراز پلکوں کے اندر چمک جانے والے پارہ ہائے برق، جھکے ہوئے پپوٹوں میں نگاہوں کے عریاں خنجر، آج تیری ہمت و جرأت کا امتحان کرنے والے ہیں! پھر یاد رکھ کہ وہ نوجوان جو اک حسن دلربا، اک شباب سحر خیز کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔ لیکن آلودگی سے پاک رہتا ہے، اس کے سحر سے متاثر ہوتا ہے، مگر ترغیبات ناپسندیدہ سے آلودہ نہیں ہوتا۔ وہی صحیح معنے میں فاتح ہے!

اس وقت حریم مقنع میں آرائش و زیبائش کا اہتمام ہو رہا ہے۔ نوجوان کنیزیں ادھر سے اُدھر پھر رہی ہیں۔ ایک کو اگر طرۂ سر کی زیبائش میں کمال حاصل ہے، تو دوسری فن نقاب افگنی میں ماہر، کہ کس طرح اس میں انداز تغافل پیدا کیا جا سکتا ہے۔ ایک گر افن حنا بندی میں بے مثل ہے کہ انگلیوں کی پورین کس ترکیب سے ایسی خوش رنگ رنگی جاتی ہیں کہ اگر ان کا عکس آئینہ پر پڑ جائے تو تہ آب شاخ مرجاں کا گمان ہونے لگے۔ تو دوسری تحریر سرمہ میں کمال رکھتی ہے اور جانتی ہے کہ کن آنکھوں کو کس وقت شوخ نگاہی کی ضرورت ہے، کب انھیں چشم بیمار ہونا چاہیے اور وہ خوبی جس کے لیے دوشیزہ سرکیشا، شاہان ذی اقتدار کو بے تاب بتا دینے میں شہرت تامہ رکھتی ہے، آنکھوں میں کیونکر پیدا کی جا سکتی ہے۔

الغرض، اس وقت وہاں ہر شے متحرک اور ہر چیز جنبش میں ہے، طرۂ زر، گوہر آبدار اور جواہر تاب ناک، ہر طرف جگمگا رہے ہیں۔ چند کنیزیں باغ کے تختہ ہائے گل میں سے، چاندنی سے دھوئے ہوئے تازہ پھول چن کر لائی ہیں کہ سنورنے والیوں کے جوڑوں میں لگائیں۔ مسرور و سردار دوشیزۂ ہند چمپا کی کلیوں کو دیکھ کر کس قدر متحیر نظر آتی ہے جو اسے اس وقت کی یاد دلاتے ہیں، جب اس کے ساتھ کی کھیلنے والیاں کنار گنگ پر چمپا کے پھولوں ہی سے اس کے بالوں کو سجایا کرتی تھیں! اور ناظورۂ عرب کیسی مست سرمست ہے۔ جسے مرکے شگوفوں کی نکہت نے پھر ایک بار سرزمین عرب میں پہنچا دیا ہے۔

ان وسیع اور منور ایوانوں میں، جہاں فواروں کا یمیں تفاطر ایک عجیب و غریب ترنم پیدا کر رہا ہے، گھومتا ہوا، عظیم ایک بڑے قصر میں داخل ہوتا ہے، وہ حیران ہے کہ اس دنیا نور میں، آثار زندگی کیوں نہیں؟ فرش کی نظر فریبی، نقرئی مجمروں میں عود و صندل کا سلگنا، اگر کی بتیوں کا چاروں طرف فضا تعجب آمیز اثر پیدا کرنا، یہ سب کچھ ہے مگر کوئی انسانی صورت نظر نہیں آتی۔ اس ایوان میں داخل ہوتے ہی اس کی نگاہیں روشنی و تابانی کے ایک سمندر میں غوطہ زن ہوتی ہیں۔ وسط ایوان میں ایک خوبصورت فوارہ پانی کو اچھال رہا ہے، جو سقف مدور کے زرکار پھولوں کو چھو چھو کر مرمریں فرش پر منعکس ہوتی ہیں گویا قوس قزح کو پارہ پارہ کر دیا گیا ہے! ایک ظرف بلورین کے اندر شفاف و پاکیزہ پانی میں چھوٹی چھوٹی رنگین مچھلیاں چمک رہی ہیں، گویا پرستانی معدن سے نکلے ہوئے سونے کے ٹکڑے ہیں، جو پانی میں ڈال دیئے گئے! دوسری جانب صندلین پنجروں میں انواع و اقسام کے خوبصورت پرند آویزاں ہیں۔ مست و مسرور کیزی عرب کے نیلگوں کبوتر، ہندوستانی شاما جو شوالوں کے کنگروں پر بیٹھ کر اپنے پاکیزہ نغموں کی بارش کرتی رہتی ہیں۔ وہ سنہرے پروں والے جو فصل کی تیاری کے زمانے میں باغوں میں آجاتے ہیں اور

معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کوئی ایسی خوشبو دار چیز کھائی ہے جس کی مستی نے ان کو اس طغیانی بہار کا والہ وشیدا بنا دیا ہے اور وہ چڑیاں جو عربستانی آفتاب کے اندر شگوفہ بار الائچی کے درخت میں گھونسلا بناتی ہیں، الغرض تمام نادر و حسین پرندے جو فضائے پاکیزہ میں بال کشا ہو سکتے ہیں، یہاں مصروف ترنم ہیں اور حقیقی معنے میں فردوس کا منظر پیش کر رہے ہیں۔

اس منظر عجیب و غریب کے اندر جو قیام گاہ پیغمبر ہونے کے بدلے بہشت شداد نظر آتا ہے، عظیم اپنے دل میں خیال کرتا ہے۔

''کیا یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے سے انسان کی روح دنیا کی مصیبتوں سے آزاد ہو گی؟ کیا یہی وہ تعلیم ہے کہ اس زندگی میں پاک لوگوں کے لیے کوئی راحت نہیں، سوائے اس راحت کے جو نیک اعمالی سے اس کی روح کو حاصل ہو اور مرنے کے بعد اس کا نام روشن ہو کر دوسروں کے نشان ہدایت اور شہرت کی بلندیوں پر روشن اور منور ہو؟''

اے شریفانہ جذبات اور شجاعانہ افکار کے حسین پیکر! جو کچھ تجھ سے کہا گیا ہے، یہاں اسے تلاش نہ کر، یہاں تو اس مکروہ عیش کے بہانے سے تیری آزادی کو مفلوج کئے جانے کی تدبیریں ہیں! وہ چیز جس نے فدایان حریت و صداقت سے غیر فانی کارنامے کرائے وہ اس نشاط فانی کا اثر نہ تھا بلکہ وہ جفاکشی پرہیز گاری اور نیک خصلتی کا نتیجہ تھا! اس لیے وہ یقیناً ایک سچا پیغمبر نہیں ہو سکتا جو اپنے مقصد وحید و مقدس کو دنیا کے فانی جاہ و حشم سے آلودہ کر دے!

''میں جانتا ہوں کہ مقنع مجھے ایک کمزور و ناتوان انسان تصور کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ عیش و طرب کی یہ نمائشیں مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیں گی۔ ہاں اے مقنع کی روشنیو! چمکو اور اپنی پوری طاقتوں کے ساتھ چمکو! میری فطرت کو تم خیرہ نہیں کر سکتیں، وہ تمہارا مقابلہ کرے گی!''

یہ خیالات تھے جو عظیم کے دل و دماغ کے سامنے آن واحد میں بجلی کی طرح چمک گئے، لیکن با ایں ہمہ وہ مسحور ہوا جا رہا ہے، تعطر و بخور کا تنفس ایک بسیط روح کی طرح فضا پر حاوی ہے فواروں کے خاموش نغمے شہد کی ان مکھیوں کے خواب آور گیتوں کا اثر رکھتے ہیں جو نکہت بار پھولوں کے گرد ہجوم کر کے ان کے عمق میں گاتی گاتی سو جاتی ہیں۔ موسیقی، دور کی موسیقی کسی مخفی مقام سے ایک موج نغمہ پیدا کر رہی ہے۔ اور اس تعطر میں اس قدر نشاط و سکون پنہاں ہے کہ وہ دل، جو اس طلسم روح پرور سے مسحور نہ ہو جائے، شاید دنیا کی کسی شے کا احساس نہیں کر سکتا!

عظیم اپنے نرم و نازک حسیات کے ساتھ ایک صندلی تخت پر بیٹھ جاتا اور اپنے حواس کو اس شیریں ماحول میں اسی طرح جس طرح طوفان کے بعد سطح بحر پر موجیں نزاکت و سکون کے ساتھ ایک دوسرے پر آ آ کر ٹوٹتی ہیں، عظیم کے بحر تخیل پر زلیخا کی یاد کی موجیں آ کر ٹوٹنے لگیں! وہ اس زمانے کو یاد کرتا ہے۔ جب یہ دونوں ایک دوسرے میں ڈوب ڈوب جاتے اور سکوت مسرور میں اس حد تک محو رہتے تھے کہ گویا اس عالم میں خدا نے اور کوئی شے پیدا ہی نہیں کی، یا تمام کائنات انھیں کی نگاہوں میں سما گئی ہے!

''زلیخا، میری پیاری زلیخا، تیری یاد اس وقت بھی میری ہمدم ہے، تیری روح مجھ میں اب بھی ساری ہے! میں جہاں کہیں بھی ہوں، تیرا ہوں اور صرف تیرے لیے ہوں! میں اگر کامیابی و کامرانی چاہتا ہوں تو محض اس لیے کہ وہ تیری تابش حسن کا باعث ہو سکے، میں تیری محبت افشاں نظروں میں اپنی جانفشانیوں کی داد پڑھ لینے کی تمنا رکھتا ہوں، میں اگر تیرے ایک تبسم زیر لب سے شاد کام ہو جاؤں تو اس لمحہ مختصر کو حیات جاوید سے بیش قیمت سمجھوں گا! میں حیران ہوتا ہوں کہ جب میں تجھے پھر پالوں گا اور تیرا پہلو میری گرمی قلب کا باعث ہو سکے گا تو میں اس مسرت کا تحمل کیونکر کروں گا؟ ہر چند میں اس لطف و محبت کے قابل نہیں، کیونکہ اس

حالت و کیفیت کا مستحق تو ایک بہترین انسان کو ہونا چاہیے! آہ! وہ ساعت جب میں نے تیرے نازک ہونٹوں کا رخصتی بوسہ لیا تھا! میں پھر ایک لذیذ بوسے سے ان آنسوؤں کو خشک کروں گا۔ جنھیں صرف تیری ہی روح جاری کر سکتی ہے اور ان آنسوؤں میں وہی حرارت محسوس کروں گا جو آنکھ کھلتے وقت پیدا ہوتی ہے! اف جب میں اس وقت کو یاد کرتا ہوں تو میرا دل تڑپ کر رہ جاتا ہے۔''

عظیم اس فردوس خیال کی سیر میں محو ہے اور تھوڑی دیر بعد اس نغمے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، جس ہر سر، فاصلے کی اثر آفرینی سے سلسلہ ہجر کی ایک کڑی معلوم ہوتا ہے پھر وہ آوازوں کی سمت ہو لیتا ہے اور بے شمار قمقموں کی طویل قطار میں (جس طرح ایک شفاف چشمہ پر انعکاس شفق ہوتا ہے) ایک دریائے نور و تجلی رواں دیکھتا ہے۔ حد نظر پر پریوں کی ایک قطار نظر آتی اور وہ اس کی جانب بڑھتا ہے۔ اس ہجوم لطافت میں بعض پریاں جنھیں پھولوں کی زنجیر سے باہم وابستہ کر دیا گیا ہے، پیچ و خم کے ساتھ رقص میں مصروف ہیں۔ اور بعض آزادانہ حلقہ رقص کے گرد چکر لگا رہی ہیں! گویا پروانوں نے شمع کے گرد ہجوم کر رکھا ہے! چنگ و رباب کی موسیقی اور ان کے نغمہ ہائے مسکر میں گم ہو جانے والے عظیم کی آنکھوں کے سامنے پریوں کا قریب تر آنا اور پھر دوہٹ ہٹ جانا وہ منظر ہے جس کی کوئی تفریح نہیں ہو سکتی! وہ اس منظر لطیف میں غرق ہے۔ کہ دفعتاً پریوں نے اپنی موسیقی بند کر دی اور ان کا ہجوم اس طرح منتشر ہو گیا، جس طرح خورشید کے گرد گلابی بادلوں کے ٹکڑے شام کے وقت پھیل جاتے ہیں! البتہ اس ہجوم میں ایک رعشہ براندام دوشیزہ پیچھے رہ گئی ہے۔ ہر چند وہ اپنے ساتھ کی پریوں سے لوٹ آنے کی درخواست کرتی ہے مگر کوئی اس کی تعمیل نہیں کرتا اور اس خاورستان میں وہ تنہا رہ جاتی ہے۔ گو اس کے چہرہ پر کوئی نقاب نہیں ہے، مگر شیراز کی لڑکیوں کی وضع کا ایک نہایت سبک و مرصع جھومر اس کے گیسوؤں اور کافوری پیشانی کے ایک حصے کو

چھپائے ہوئے ہے۔ زلیخا اس حالت میں کشش و احتراز کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں صندلی رباب ہے جس پر ہاتھی دانت اور سونے کا کام ہے اور وہ بے تابانہ تاروں کو چھوتی اور اپنی مرتعش انگلیوں کو ہٹا لیتی ہے۔ ایک اچٹتی ہوئی نظر، اک کہربائی خط عظیم کے چہرے ڈالتی اور مطمئن ہو جاتی ہے کچھ دیر بعد وہ ایک نیم وحشی غزالہ کے مانند اک جھجک کے ساتھ آگے بڑھتی اور کاشانی مسند پر بیٹھ کر رباب کے تاروں کو چھیڑتی ہے اور یوں نغمہ زن ہو جاتی ہے:

''گلاب کے اس کنج میں جہاں تمام تمام دن اور تمام تمام رات بلبل نغمہ سرائی کرتی تھی، ایام طفلی میں پھولوں سے لدی ہوئی ڈالیوں میں چھپ کر بلبل کے گیت سننا، اب ایک خواب سا معلوم ہوتا ہے! آہ! اس کنج کی نغمہ آفرینیاں مجھے کبھی فراموش نہیں ہو سکتیں! جب موسم اپنے شباب پر ہوتا ہے، تو میں اکثر سوچا کرتی ہوں کہ آیا بلبل اس کنج میں اب بھی مصروف ترنم ہے یا نہیں؟ آیا اس وقت بھی رود بندمیر کے کنارے اسی طرح تاب ناک و ساکن ہیں؟ مگر پھر سوچتی ہوں کہ امواج دریا پر جھکی ہوئی شاخہائے گل کیونکر پژمردہ ہونے سے بچی ہوں گی، جن کے نوزائیدہ غنچے ہم چن لیا کرتے اور ان کے قطرات شبنم پنکھڑیوں سے نچوڑ کر زمین پر ڈال دیا کرتے تھے؟

ماضی کی یاد سے قبل اس کے کہ وہ فنا ہوں، میں مسرت حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہوں! وہ ماضی جس نے میری روح کو منور کیا تھا، اور جس کی یاد شاید ہمیشہ میرے خیال کی نگاہوں کو منور بنائے رکھے گی۔ کیا وہ کنج اب بھی رود بندمیر کے کنارے آباد ہے۔؟''

''غریب لڑکی! اگر میرے پاس تو اس لیے بھیجی گئی ہے کہ اپنے حسن کی تابناکیوں اور اپنی موسیقی کی لطافت باریوں سے میرے دل کو غیر مقدس خواہشات سے لبریز کر دے، تو تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقتاً تو اس فن سے بے بہرہ ہے اور

یوں بھی، ہر چند تیرے پنکھڑی جیسے لب مجبور ہیں کہ اپنی جنبش کو ایک غلط راستہ کی دعوت پر صرف کریں، مگر تیری عصمت بار آنکھیں اس نغمہ فریب کی ہم آہنگ نہیں ہوسکتیں، وہ اس وقت بھی اس کی تردید کر رہی ہیں! میں دیکھتا ہوں کہ تیرا نغمہ، عہد شباب کے پاکیزہ ترین جذبات کا حامل ہے اور مجھے اس فضائے معصوم میں کھینچے لیے جاتا ہے، جہاں خیال معصیت کے لیے انسانی دماغ تنگ ہو کر رہ جاتا ہے! اس لیے میں اپنا فرض تصور کرتا ہوں کہ اس سے قبل کہ تیری آرزوئیں گمراہ ہوں، میں تیرے قفس کی تیلیاں توڑ دوں، تاکہ تو پھر چمن محبت کی فضا میں اڑ کر پہنچ جائے۔"

عظیم ہنوز اسی خیال میں مصروف تھا کہ ایک جانب لاجوردی پردہ آہستہ آہستہ حرکت میں آتا ہے، بے شمار آنکھیں، شام کے نیلمیں آسمان میں طلوع انجم کی طرح، خنداں نظر آتی ہیں۔

پردہ جب پورا کھل جاتا ہے اور کنواریاں (پرستان کے معلق نسترن زاروں میں رہنے والیوں کی طرح) مسکراتی ہوئی نمودار ہو جاتی ہیں، تو نسیم کے فرحت بخش جھونکوں کے ساتھ پھولوں کی بارش شروع ہو جاتی اور ایک لطیف رقص، جس کا تعلق فرش سے نہیں بلکہ فضا سے معلوم ہوتا ہے، شروع ہوتا ہے!

زلیخا اس ہنگامہ رقص و موسیقی کو دیکھ کر، اپنا بدن چراتی ہوئی اس طرح اٹھ جاتی ہے جس طرح شعاع آفتاب سے متاثر ہو کر بنفشہ کے پھول سمٹنے لگتے ہیں۔ عظیم دور ہی سے ایک آہ سرد کے اس کی مشایعت کرتا ہے لیکن قریب جا کر اس کو دیکھنا گوارا نہیں کرتا، کہ مبادا اس کی نگاہیں اس کے حسن کو میلا کر دیں!

رقص کرنے والی کنواریاں رقص کر رہی ہیں۔ ان کی گردنیں گویا مینائے مرمریں ہیں، جن کے اندر ارغوانی شراب بھری ہوئی ہے اور ان پر مشرقی جواہر کی زیبائش، یہ معلوم ہوتا ہے کہ پھولوں کے ہار کسی آبگینہ رنگین پر ڈال دیئے گئے ہیں! ان کے

رقص کا ہر دائرہ قوس قزح نظر آتا ہے اور ان کی طلائی پازیبوں کے گھونگرو اپنی آواز سے روح کو بے تاب کئے دیتے ہیں۔

رقص، آخر کار ختم ہو جاتا ہے، ایک لڑکی دوسری کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے اور ان کا سریع تنفس پردوں سے گزر کر پھولوں کی نکہت میں ملا جا رہا ہے! تھوڑی دیر بعد پھر ایک چشمے کی سی موسیقی پیدا ہونے لگتی اور عظیم اس منظر تبسم و موسیقی، اس نظارہ رنگ و گل سے، مضمحل ہوا جا رہا ہے! وہ سمجھتا ہے کہ اس ہنگامے میں، محسوسات کو تھوڑی سی آزادی دے دینا بھی تباہی ہے، اس لیے وہ کھڑا ہو جاتا اور دیواروں کی آرائش و زیبائش سے دل بہلانے لگتا ہے۔ نقاشی و مصوری کے ان مناظر کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جو اس کے لیے بالکل نئے اور سخت حیرت انگیز تھے! وہ ایک تصویر دیکھتا ہے، جس میں مصور نے اپنے موقلم کی تمام جان بخش نزاکتوں کے ساتھ ظاہر کیا تھا کہ دامن نقاب جلوۂ بے محابا سے زیادہ دلکش، اور نیم گاہی نظارہ بے حجاب سے زیادہ مہلک ہوتی ہے! اس کے بعد اسے دوسری تصویر نظر آتی ہے۔ جس میں عزیز مصر کی بیوی زلیخا جوشش شوق میں اپنی آغوش کھول دیتی اور عبرانی نوجوان اس کے مہلک شباب سے بھاگتا اور مڑ مڑ کر دیکھتا جاتا ہے کہ کہیں وہ اس بلائے حسن سے قریب تر تو نہیں ہو گیا۔

ان تصویری افسانوی کو پڑھتا ہوا وہ ایک کھڑکی کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ جہاں سے سکون ماہتاب میں چمن نظارہ کرتا ہے۔ لیکن وہ ایسا اثر محسوس کرتا ہے کہ شاید نسیم کے جھونکے سے قائم ہو گئے ہیں، اور نہر کی روانی بے جان! صدائے موسیقی اب بعید تر ہو جاتی ہے اور اس قدر نرم ہو کر اس تک پہنچتی ہے گویا فضا نے اس غناؤ موسیقی کے اندر سے وہ سب کچھ جذب کر لیا ہے جس کا تعلق تاثرات ارضی سے ہے۔ اور اب وہ مطلقاً سماوی بن گئی ہے! ان کیفیت آفریں مناظر اور اس تاثر زا عالم میں وہ اپنے ہجوم جذبات سے بے تاب ہو کر اپنی حیات معاشقہ کے خوابوں

میں مستغرق ہو جاتا ہے۔

بے خبر ہستی! خواب دیکھے جا اور اس خواب نوشین سے کبھی بیدار نہ ہو! کیونکہ تیری روح کے لیے آخریں فرصت لطف و مسرت ہے۔ قبل اس کے کہ تیرے خواب کی مسرتیں تجھ سے چھین لی جائیں اپنے پیکر جذبات کو آغوش خیال میں لے کر جس قدر لطف حاصل کر سکتا ہے کر لے۔ اس تبسم ذی حیات کا خواب دیکھ لے۔ جس نے وقت وداع تیرے دل کو اپنی روشنی سے بھر دیا تھا، ان آنسوؤں کی یاد تازہ کر لے جو جدائی کے وقت تیرے سامنے پیش کیے گئے تھے اور جن کی پاکیزگی کو بہترین گوہر شاہوار بھی نہیں پہونچ سکتے! ہاں اس مکان و فضا کا تصور کر لے جہاں وہ اس وقت بھی تنہائی و بے کسی کے ہجوم میں تیری منتظر اور ایک تنہا جگمگانے والے ستارہ کی طرح تیرے لیے سراپا انتظار بنی ہوئی ہے! آہ تیرا خواب، جس کی شیرینی و لطافت تیرے دل کی تنہا روشنی تھی، آج تباہ ہونے والا ہے اور ہمیشہ کے لیے معدوم!

موسیقی خاموش ہو جاتی ہے اور آواز نغمہ موقوف! پریاں رخصت ہو جاتی ہیں، اور عظیم ایک آہ جگر خراش سنتا ہے، ایک گریۂ ملال اسے اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے، مگر یہ کون ہو سکتا ہے؟ عظیم کے دردمند دل کے صدمہ و حیرت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی کہ اس جگہ غم و محن، رنج و مصیبت کیونکر بار پا سکتے ہیں؟ وہ ہچکیوں اور سسکیوں کی جانب بڑھتا اور دیکھتا ہے کہ ایک گوشے میں ایک نقاب پوش نازنین، دیوار کے سہارے کھڑی ہے۔ اس تصویر غم کا لباس نیلگوں ہے۔ جیسے بخارا کی عورتیں کسی عزیز کی مفارقت یا موت کے وقت پہنتی ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ تمام کیفیات اس کی نظر کے سامنے ہو گئیں، جن سے وقت وداع، زلیخا کا دل بھر آیا تھا۔ اور جب اس کی آواز بند ہو کر صرف گرم گرم آنسو جذبات کا اظہار کر رہے تھے!

اس کے جذبات میں ایک تلاطم پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایک عالم بے خودی میں

اپنی آغوش کھول دیتا اور وہ زار و نزار لڑکی بھی عشق کی اس پذیرائی کے لیے بڑھتی ہے۔ مگر قبل اس کے کہ وہ عظیم کی آغوش تک پہونچے اس پر غش طاری ہو جاتا اور بے ہوش کر گر پڑتی ہے۔ نقاب سرک جاتا ہے اور عظیم جمال زلیخا کا نظارہ کرتا ہے! زلیخا کی حالت اس قدر بدلی ہوئی تھی، کہ سوائے عظیم کے کوئی دوسرا اس کو پہچان بھی نہ سکتا تھا! وہ چند لمحہ کے لیے شک و شبہ کی تصویر بن جاتا ہے۔ پھر اس کا سر اپنے زانو پر رکھ کر پیشانی سے حلقہ ہائے گیسو ہٹاتا ہے۔ اس کی بند آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ زلیخا کو دیکھتا ہے، اس کو جس کی یاد میں اس نے اتنا زمانہ بسر کر دیا تھا!

عظیم: زلیخا کو میری پیاری زلیخا، آنکھیں کھول، ایک مختصر لمحے کے لیے اپنی روح کے ان غرفوں میں مجھے وہ محبت دیکھ لینے دے جس سے میرے بے تاب دل کو تسکین ہوا کرتی تھی۔ کیسا مبارک تھا وہ ذریعہ جو تیرے یہاں پہونچنے کا حیلہ ہوا! اگر دنیا کی تمام نعمتیں فراہم کر دی جائیں اور مجھے اختیار انتخاب ملے۔ تو اے میری پیاری! میری نگاہ انتخاب صرف تجھ ہی پر پڑ سکتی ہے اور اس وقت میں یہی باور کر رہا ہوں کہ تمام عالم کی نعمتیں مجھے دے دی گئی ہیں۔ کیونکہ آج میں پھر اپنی زلیخا، پیکر عصمت زلیخا کو اپنے پہلوئے شوق میں دیکھ رہا ہوں!''

عظیم کا ایک بوسے سے جو کہربانی اثرات سے لبریز تھا، زلیخا کی آنکھیں اس طرح کھل جاتی ہیں جیسے برف ہوا کے اثر سے آہستہ آہستہ پگھل کر اپنے نیچے دبے ہوئے نیلگوں رنگ کے پھولوں کو نمایاں کر دیتی ہے! اس کی نظریں عظیم کی آنکھوں میں ڈوبتی چلی جا رہی، لیکن میں بے چینی و وحشت ہے اور اس کا سارا جسم عظیم کی آغوش میں ایک مستقل لرزش بنا ہوا! آخر کار وہ اپنے تئیں عظیم کی گود سے علیحدہ کر لیتی ہے اور ایک دردمند چیخ کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیتی ہے، گویا اس کی زندگی کی تمام لغزشیں اسکے چہرے پر منقوش ہیں، جنھیں وہ کسی کو دکھانا

نہیں چاہتی!

زلیخا کی حالت اور اس کی چیخ کے ساتھ اس جگہ کے تمام مناظر و حالات دفعتاً عظیم کے ذہن و دماغ پر مستولی ہو جاتے اور مرگ ناگہاں کی طرح اس کے لبریز شوق دل کو سرد کر دیتے ہیں۔ اب ہر چیز اس کے سامنے آئینہ ہو جاتی ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ صحیح معنے میں اس کی زندگی کی تباہی آج ہی شروع ہوتی ہے۔

زلیخا: آہ عظیم! ہر چند میں اپنے تئیں برباد کر چکی ہوں، مگر یہ یقین نہ کرو کہ کذب و معصیت مجھے اپنی طرف راغب کر سکتے ہیں۔ نہیں! بلکہ میرے مفتوح ہونے کا سبب، میرا ناقابل برداشت اندوہ و الم تھا، جس نے مجھے دیوانہ کر دیا تھا! اگرچہ میں جانتی ہوں کہ تمہارے دل میں مری محبت کے لیے اب کوئی جگہ باقی نہ رہنا چاہیے، لیکن میرے کہنے کا اس قدر ضرور یقین کرو کہ مجھ ایک ذرہ عقل و حواس باقی تک بھی دنیا کی کوئی شے مجھے تم سے منحرف نہیں کر سکتی تھی۔ مجھ سے تو کہا گیا تھا کہ تم مارے گئے! کاش ہم دونوں کے جدا ہوتے وقت مجھے بجلی نے جلا کر خاکستر کر دیا ہوتا! کاش تم جان سکتے، تمہیں یقین آ سکتا کہ میں نے ایام مفارقت کس طرح سیل اشک بہا بہا کر بسر کئے ہیں! گویا درازی ہجراں ایک درخت تھی جس کی آبیاری میں نے اپنے آنسوؤں سے کی! اس طویل جدائی کا ایک ایک لمحہ میں نے صرف تمہارے خیال میں بسر کیا ہے! اور صرف تمہارے خیال کی تکرار اس قدر کی کہ وہ بھی آخر کار درد و کرب بن گیا! اور مفارقت سے سرد ہو جانے والا دل اس پارۂ برف کی طرح ہے جو قطرہ قطرہ ہو کر بہ جاتا ہے! کاش تم دیکھ سکتے کہ میں نے دروازہ پر کھڑی رہ کر تمہارے انتظار میں کتنی صبحوں کو شام کر دیا ہے۔ راتوں کی طویل گھڑیاں بیم و رجا کی جاں گسل کش مکش میں کس طرح آنکھوں ہی آنکھوں میں گزار دی ہیں۔ کیونکہ میرے کانوں میں تو تمہاری آواز قدم ہر وقت گونجا کرتی تھی۔ خدایا! تو واقف حال ہے کہ جب لشکر غم میرے دل کی آبادی اور میری

امیدوں کو بے رحمی کے ساتھ زیر و زبر کر رہا تھا، جب ''عظیم مارا گیا'' کی دل خراش آواز نے میرے حواس کو معطل کر دیا تھا، اس وقت دنیا و آسمان کی تمام روشنیوں میں ایک جھلک بھی میری نظر کے لیے باقی نہ رہ گئی تھی اور ساری دنیا کی مصیبت میری جاں گداز تکلیف کا نصف بھی نہیں ہو سکتی تھی! عظیم تم مجھے رحم کی نگاہوں سے دیکھتے ہو، ہاں میں جانتی تھی کہ میرے حال زار کا فسانہ المناک تمہارے دل کو ضرور نرم کر دے گا، اور تمہارا رنج و غصہ افسوس و رحم سے بدل جائے گا۔

وہ مکار و دغاباز، جو مجھے دھوکا دے کر یہاں لے آیا، اس نے مجھ سے ایسے قصے بیان کیے کہ اگر میری جگہ فرشتہ ہوتا تو وہ بھی اس کے دام فریب میں آ جاتا اور اس کے مکر سے بچنا محال ہوتا، اس نے مجھ سے کہا میں ابدی نور کی فضا میں تم سے مل سکوں گی! ہمیشہ تم میری آنکھوں کے سامنے رہو گے! لیکن اس پرسکون زندگی کی مستحق وہی مقبول و برگزیدہ ہستیاں ہوں گی جو اس عالم میں مقنع کی خدمت کریں گی! سوچو غور کرو کہ میرے لیے یہ کیسی امید تھی، تم میری حالت پر روتے ہو، آنسو بہاتے ہو! ہاں بہاؤ اور ضرور بہاؤ! کاش میں ان آنسوؤں کو اپنے لبوں سے خشک کر سکتی، مگر نہیں، میرے ناپاک لب تمہاری مقدس سانس کو نہیں چھو سکتے۔ میرے لیے وہ ایک لمحہ خود فراموشی، جو کبھی تمہاری آغوش محبت میں حاصل ہوا تھا، کافی ہے۔ میں اس کی قدر کروں گی اور آخری سانس تک میری روح اسی کی پرستش میں مشغول رہے گی جس کی یاد میرے دور خوش کامی کا آخری تبرک ہو گا، اس وسیع سمندر کا ایک قطرۂ شیریں ہو گا جو اب بالکل خشک ہو چکا ہے! مگر اب تمہیں یہاں سے جلد چلا جانا اور ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جانا چاہیے۔ یہ مقام تمہارے مقدس قدموں کے قابل نہیں ہے۔ میں نے اپنی تباہیوں کا ابھی نصف بیان بھی نہیں سنایا ہے، اتنا سمجھ لو کہ یہاں معصیت کی حکومت ہے اور ہماری روحوں کے درمیان بدنصیبی کا ایک ایسا طوفان حائل ہے جس کی تاریکی مجھے تمہاری ہستی سے اسی طرح

علیحدہ کر رہی ہے جس طرح جنت سے دوزخ!

عظیم: زلیخا! زلیخا! عرش پاک کی قسم! اگر باب اجابت ہنوز بند نہیں ہو گیا ہے، تو یقیناً تیری لغزشیں نظر انداز کی جائیں گی اور تیری خطائیں بخش دی جائیں گی! تیرے محسوسات کی معصومی اور تیرا انفعال تیری نجات کے ضامن ہیں! محبت کی اس مقدس روشنی کی قسم، جو ہم دونوں کی روحوں کے مزار پر اب بھی عکس فگن ہے۔ اور جو تیرے دل میں یہاں کی آسودگیوں کی کثرت کے باوجود اور میرے دل میں مایوسیوں کے طوفان سے بھی افسردہ نہیں ہو سکی ہے، تو نجات حاصل کر لے گی! آ، میرے ساتھ چل اور اس ناپاک سرزمین کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ!

زلیخا: میں تمہارے ساتھ چلو! تم مجھے اپنے ہمراہ لے چلو گے؟ خداوندا، کیا میں اتنی خوش نصیب ہو سکتی ہوں؟ آہ! یہ مسرت تو ایک عمر کی اذیت و صعوبت کے معاوضے سے بھی بہت زیادہ ہے! پیارے عظیم! سچ کہو، کیا تم مجھے ایک تباہ کار ہستی کو اپنے ہمراہ لے چلو گے؟ اپنے دل نواز پہلو میں جگہ دو گے؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ وہ لمحات تاثر و کیفیت، جن میں ہم دونوں اس قدر خوش اور آسودہ رہ چکے ہیں، پھر واپس مل جائیں گے؟ آہ اگر یہ خواب ہے تو ایسا خواب ہے، جس میں جنتوں کی عشرت پنہاں ہے۔ تمہارا قرب اب مجھے ہمیشہ حاصل رہے گا، ان ہونٹوں کے ملکوتی نغمے ہر وقت میرے کانوں میں پہونچتے رہیں گے۔ یہ نگاہیں ہر لحظہ میری روح کو اپنی شرابوں سے سرشار کرتی رہیں گی اور جس طرح داغ دار چاند سورج کی روشنی میں سفید ہی معلوم ہوتی ہے اس طرح تم اپنی پاکیزگیوں کو میرے اوپر منعکس کرتے رہو گے! غروب آفتاب کے وقت جبکہ خاطی و مجرم ضمیر پر گناہ کی یاد اپنی پوری طاقتوں کے ساتھ یورش کرے گی، تو تم اپنی لبریز اشک، پیاری پیاری آنکھیں آسمانوں کی جانب اٹھاؤ گے اور اپنی زلیخا کے حق میں دعائیں مانگو گے اور میں بھی اپنی ضعیف و خطا کار نگاہوں کو اسی نقطے پر جما دیا کروں گی، یہاں تک کہ

رحمت خداوندی کے لیے ایک پیکر غم کا دل گرفتگی کے ساتھ ہر وقت تمہارے پہلو سے لگے رہنے کا نظارہ نا قابل برداشت ہو جائے گا اور فرشتہ رحمت پیام عفو اور مژدہ نجات لے آئے گا''

ابھی زلیخا کی گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ کسی طرف سے آواز آئی۔ ''اپنی قسم کو یاد کر! اپنی قسم کو یاد کر'' زلیخا کی رگوں کا خون اس آواز کو سن کر سرخ سے زرد رنگ ہو گیا اور نہایت ضعیف و مردہ آواز میں اس نے عظیم سے کہا۔

''یہ اسی کی آواز ہے، یہ وہی ہے اور میں اسی کی ہوں! بس اب سب کچھ ختم ہو گیا! تم یہاں سے اپنی جان بچا کر نکل جاؤ ورنہ تم بھی تباہ و برباد کر دیئے جاؤ گے۔ آہ! خدایا، میری قسم ہاں یہ سب ہے کہ میں متقع کی منکوحہ ہوں، اور ہمیشہ کے لیے اس کی ہو چکی ہوں۔ جس وقت میں نے یہ منحوس قسم کھائی تھی مردوں کی روحیں وہاں شہادت کے لیے آئی تھیں۔ اور میری قسم کو ان کے نیلے ہونٹوں نے دہرایا تھا۔ میں اس وقت بھی وہی خوف ناک آوازیں سن رہی ہوں، ان کی آنکھیں میرے سامنے چمک رہی ہیں۔ جب میں نے قسم کا ساغر ہونٹوں سے لگایا تھا تو میں نے محسوس کیا تھا کہ کھولتے ہوئے خون کا ایک گھونٹ میرے حلق سے اتر رہا ہے اس کا اثر اس وقت بھی میری زبان پر ہے۔ آج رات کو میں نے اپنے نقاب پوش شوہر کی شکل بھی دیکھی! خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اس نے اس کی شکل سے زیادہ مکروہ صورت کوئی اور بھی بنائی ہے یا نہیں اب میں جاتی ہوں۔ کیونکہ میں نہ تو تمہاری ہو سکتی اور نہ خدا کی! نہ محبت کی ہوں، اور نہ کسی ایسی چیز کی جو مقدس ہے! آہ، تم مجھے اپنی آغوش میں مضبوطی کے ساتھ لے لیتے ہو، مگر شاید نہیں جانتے کہ جو شیطان، دلوں میں تفریق پیدا کر سکتا ہے وہ ہاتھوں کو بھی جدا کر سکتا ہے۔ اچھا میرے عظیم، خدا حافظ! ہمیشہ کے لیے خدا حافظ!!''

دیوانگی و جنون کی حالت میں کمزور بھی شہ زور ہو جاتے ہیں اور یہی دیوانگی کی

طاقت تھی کہ زلیخا عظیم کی گود سے نکل کر ایک چیخ کے ساتھ اس مقام سے دفعتاً چلی جاتی اور نظروں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے۔

شاہزادی لالہ رخ، زلیخا، عظیم کے عشق ناکام کی داستان اور الم نصیبی کے بیان سے اس قدر متاثر ہوئی کہ تمام دن اس کا خیال اسی میں مصروف رہا۔ مسرت اندوزی کا جذبہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ، اس کے پاس سے یکسر معدوم ہو گیا ہے وہ اس قدر انہماک میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اس نے فضل الدین کی طرف آنکھ بھی نہ اٹھائی اس نے ایک قسم کی بے چین مسرت کے ساتھ اول مرتبہ یہ تصور کیا کہ عظیم بالکل فرامرز اور فرامرز بالکل عظیم ہے!

کاروان شاہی جس وقت ایک ندی کے کنارے سے گزر رہا تھا، شاہزادی نے ایک ہندو دوشیزہ کو دیکھا ایسے ناوقت اس کا ایک تنہا مقام پر ہونا شاہزادی کی حیرت کا باعث ہوا۔ قافلہ رکوایا گیا اور اس نے دیکھنا چاہا کہ یہ لڑکی کیا کرتی ہے۔ ہندو لڑکی نے ایک چھوٹا سا گھی کا چراغ روشن کیا اور اسے ایک تھالی میں رکھ کر پھولوں کے ہار سے سجایا۔ اس کے بعد کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے اس کو دریا کی لہروں کے سپرد کر کے بیم و رجا کی تصویر بنی ہوئی اس کی روانی کو دیکھتی رہی۔ شاہی قافلے کی شوکت و حشمت بھی اس لڑکی کی توجہ اپنی طرف مائل نہ کر سکی، جس سے لالہ رخ بے حد متحیر اور متعجب ہوئی۔ خدام بارگاہ میں سے ایک شخص نے جو دریائے گنگ کے کسی ساحلی مقام کا باشندہ تھا۔ شاہزادی کے سامنے آ کر بیان کیا کہ ہندو عورتوں میں یہ فال لینے کی ایک رسم ہے۔ جو کسی عزیز کی مراجعت وطن یا اس کی خیر و عافیت کے متعلق اپنے شکوک و اوہام رفع کرنے کے لیے عمل میں لائی جاتی ہے۔ گنگا کے کناروں پر جہاں ہندو عورتیں اور لڑکیاں اس طرح شگون لیتی ہیں، یہ نظارہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے۔ اگر چراغ گل ہو جائے یا ڈوب جائے تو اس کو شگون بد سمجھا جاتا ہے، لیکن اگر وہ چراغ روشن رہ کر بہتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو جائے تو پردیسی

پریمی کی صحت اور واپسی یقینی سمجھی جاتی ہے۔

قافلہ روانہ ہو گیا۔ مگر لالہ رخ بار بار مڑ کر ہندو دوشیزہ کی شمع تفاقل کو دیکھتی رہی۔ اور جب آخری مرتبہ بھی اس نے چراغ کو روشن دیکھا، تو اس خوش فالی سے نہایت خوش ہوئی۔ کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ اس چراغ کی حفاظت پر ایک دوشیزہ کی زندگی کا انحصار ہے۔ اور محسوس کر رہی تھی کہ اس لڑکی کی امیدیں بھی اتنی ہی کمزور تھیں، جس قدر اس چراغ کا شعلہ۔ ! منزل کا باقی حصہ نہایت خاموشی کے عالم میں طے ہو گیا، اور قافلہ منزل پر پہونچ گیا لیکن اس وقت تک کہ شاہزادی کی بارگاہ جمال میں فرامرز کے تار ہائے رباب کی صدا پیدا نہ ہوئی۔ وہ اسی کے خیال میں منہمک ہی۔ آخر کار فرامرز کو طلب کیا گیا، جس نے داستان کا باقی حصہ یوں بیان شروع کر دیا۔

خلیفہ مہدیؔ، ہر چند یونانیوں کے ساتھ معرکہ آرا ہونے کے بعد یک گونہ خستہ ہو رہا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اس کی فوجیں فوراً ہی کسی جنگ میں مشغول ہو جائیں لیکن ہر وقت کی اطلاعات نے اس کے سامنے آنیوالے خطرات کو ایسی صورت میں پیش کیا کہ ابن مقنّع کا استیصال اس کے نزدیک ضروری ہو گیا، چنانچہ خلیفہ نے ان اطلاعات کے پہونچتے ہی عہد کیا کہ جب تک وہ اسلام کو اس خادع مدعی نبوت کے فتنے سے پاک نہ کر لے گا اور جس وقت تک وہ اس گروہ مرتدین کو پسپا و منتشر نہ کر لے گا، عیش و مسرت کے خیال کو اپنے دل میں جگہ نہ دے گا۔

احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ پھر خلافت عباسیہ کے پرچم ہوا میں لہرانے کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور سپاہ اسلام اپنی تمام شوکت و سطوت کے ساتھ مقنّع کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو جاتی ہے،

کل جن میدانوں میں زندگی کی علامت مفقود تھی، آثار حیات ناپید تھے۔ آج ایک شہر خیال نظر آ رہا ہے اور عین وسط میں دربار خلافت کا قرمزی شامیانہ قائم ہے۔

اس اجتماع سے شور و غل اور قہقہوں کی صدائیں بلند ہو ہو کر ہوا میں ملتی ہیں۔ کبھی فوج کے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں ہیں تو کبھی ساربانوں کی صدائیں سننے میں آ جاتی ہیں، کبھی طبل جنگ کی موسیقی بلند ہوتی ہے تو کبھی حبشیوں کی بانسریوں کے مدہم سر سامعہ نواز ہوتے ہیں۔

غرض لشکر خلافت عجیب و غریب نظارہ پیش کر رہا ہے اور اسلحہ و سپاہ کی شان و عظمت کی یہ نمائش اپنی قسم کی عجیب نمائش ہے۔

اس طرف اگر لشکر اسلام، دنیا کی مختلف شجاع ترین اقوام پر مشتمل ہے تو دوسری جانب مقنّع کی فوج بھی اتنی ہی تعداد میں ولایت ایران کے مشہور و منتخب جنگجو قبائل

سے تیار ہوئی ہے اور پیروان مقنع کے علاوہ آتش پرستاران فارس بھی اس کے شریک ہو گئے ہیں۔ صفیں آراستہ ہوتی ہیں، اور حملہ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ خلیفہ مہدی اگر اسلام کو ایک فتنۂ مذہبی سے پاک کر دینے کے خیال سے مسرور اور دست بدعا ہے تو مقنع بھی سمجھ رہا ہے کہ آج یا تو تمام عالم اس کے زیر نگیں ہوا جاتا ہے یا اس کی کارگاہ مذہب و تبلیغ ہمیشہ کے لیے ختم!

ایک جانب خلیفۂ اسلام لشکر کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے، بڑھے چلو، حق و صداقت کے علم دارو! مرنے والوں کو شہادت اور فاتحین کے لیے غازی کا درجہ ہے! دوسری سمت مقنع پکار رہا ہے، بڑھے چلو، انتقام کے حامی بہادرو! بڑھے چلو!! نامردوں اور گمراہوں کے لیے شیطان کی غلامی اور بندگی!! لڑائی پوری قوت کے ساتھ ہو رہی ہے اور ایک سخت مقابلے کے بعد سپاہ خلاف کے پانو اکھڑ جاتے ہیں۔

مقنع، خود خلیفہ کے پرچم شب رنگ کو اٹھا لیتا اور اس یقین سے کہ اب مشرق اعظم اس کی ملکیت ہے، فخر و مباہات سے معمور ہو جاتا ہے۔ ہنوز وہ اس مسرت کے خیال سے کافی بہرہ اندوز نہیں ہونے پاتا ہے کہ شور حرب میں ایک غیر معمولی تبدیلی نظر آتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ یکا یک شکست خوردہ فوج اسلام کو کوئی روک دیتا ہے، وہ فوج پلٹ پڑتی اور ایک نا قابل مدافعت ہجوم کر کے حملہ آور ہو جاتی ہے! اس حملہ کا سپہ سالار اس وقت ایک نوجوان ہے جو اپنی صورت کے لحاظ سے ایک فرشتہ آسمانی معلوم ہوتا ہے اور شہامت کے آثار و علائم، جو اس کے بشرے کا جزو مستقل نظر آتے ہیں اس کی روئیں تن ہونے کا یقین دلا رہے ہیں۔ اس کے حملہ اس قدر سخت ہوتا ہے کہ مقنع کی فاتح فوج پسپا ہونے لگتی ہے، ہر ہر قدم جو آگے بڑھتا ہے، اس سپہ سالار کے چہرے میں امید و جرأت کی رنگینیاں بڑھتی جاتی ہیں اور ہر لمحے میں اسے اپنی فتح کا یقین ہو رہا ہے۔ مقنع میدان کارزار کے وسط میں

کھڑا ہے اور ہر چند کوشش کرتا ہے، مگر اس کی فوج، بادلوں کے ان ٹکڑوں کی طرح، جو دھندلے چاند کو تنہا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، بھاگی جا رہی ہے۔ وہ پکارتا ہے، مگر کوئی نہیں سنتا، وہ لعنتوں کی بارش کرتا ہے، ملامتوں کا دریا بہاتا ہے مگر کوئی کان نہیں دھرتا اور آخر کار ہزیمت خوردہ مقنع خود بھی جائے پناہ کی تلاش کرنے لگتا ہے۔ فوج اسلام میں معجزہ، کا شور مچ جاتا ہے۔ ہر متنفس کی نظریں نوجوان سپہ سالار پر جم جاتی ہیں، مگر وہ ہے کہ اسے اس دنیائے حیرت و استعجاب کی پرواہ بھی نہیں اور مقنع کے تعاقب میں بدحواس ہے، بے چین و اضطراب ہے! مقنع کی پسپا فوج کے سپاہی اس کی تلوار کی زد میں ہیں، مگر ان پر اس کا ہاتھ نہیں اٹھتا اور اس کے غصہ و غضب کا آتش فشاں مادہ صرف ایک مقنع کی ملعون ہستی کے لیے محفوظ ہے۔ لیکن باوجود سعی و جستجو وہ مقنع کو نہیں پاتا۔

باوجودیکہ مقنع کی فطرت درشت کے لیے فرار اختیار کرنا ناروا سا تھا، مگر وہ اپنی فوج کے ہجوم میں کچھ اس طرح گھر ہوا ہے کہ وہ اپنے تئیں اس رجعت قہقری کے سیل میں قائم نہیں رکھ سکا اور سب کے ساتھ بھاگنے پر مجبور رہ گیا ہے۔ تاہم وہ اپنے غم و غصہ میں بلا تحقیق دوست و دشمن سیف آزمائی میں مصروف ہے۔ آخر کار اللہ اکبر کی تکبیریں بلند ہوتی ہیں اور فتح مند خلیفہ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ عسکر خلافت نے فتح پائی اور مقنع مفرور ہو گیا۔ جشن نصرت میں تمام لوگ حصہ لیتے ہیں، بازار اور راستے زرین بنا دیے جاتے ہیں، معبد منور کے گئے ہیں، اس تمام ہجوم و انبوہ میں ایک جذبہ اور بھی ہے جو باقی تمام جذبات سے قوی اور شدید ہے اور وہ جذبۂ رشک ہے۔

عظیم تخت خلافت کے روبرو پیش ہوتا ہے۔ خلیفہ اسلام استحسان و پذیرائی کی تصویر بنا ہوا اس کے ادائے آداب پر متبسم ہوتا ہے۔ اس کا نام ہزاروں زبانوں کا وظیفہ ہو جاتا ہے اور لوگ اس کا نام لے کر مسرت و شادمانی کے نعرے بلند کرتے

ہیں مگر خود عظیم پر کوئی اثر نہیں وہ اسی طرح بے پروا بے تعلق نظر آتا ہے جس طرح قبل از جنگ دنیا نے اسے دیکھا تھا اور وہ اسی قدر مغموم و مکدر پایا جاتا ہے!

بدنصیب عظیم! تیرا رنج وہ رنج ہے، جسے نصرت و فتح مندی کی مسرتیں بھی زائل نہیں کر سکتیں۔ تیرا غم وہ غم ہے جسے ایسی صدہا فتوحات بھی دفع نہیں کر سکتیں۔ تیرا الم حد امید سے گزر گیا ہے، منتہائے چارہ سازی اس کے بہت پیچھے اور تدبیر و علاج کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک تاریکی ہے ایک بار و سکون ہے، جس کو کوئی قوت روشن نہیں کر سکتی، دنیا میں اور بھی ایسے دن گزرے ہیں، جن پر غم و اندوہ نے آہستہ آہستہ قبضہ کیا۔ مگر تیرے اوپر تو اے شباب محزوں کوہ غم دفعتاً ٹوٹ پڑا، اور اس حالت میں جبکہ ہر چیز تیری چشم شوق کے سامنے لطف و مسرت کا لباس پہن کر جلوہ آرا تھی! آرزوئیں اور امیدیں تیرے سامنے مسکرا رہی تھیں! ماضی نے عیش حال کا قالب اختیار کر لیا تھا! ٹھیک اسی وقت غم کا کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا اور تیری آرزوؤں کو تودہ خاکستر بنایا گیا۔ جذبات کے نشوونما کو پامال کر گیا۔ گویا کسی فوارے کے قطرے تھے جو جست و صعود سے قبل تو منجمد نظر آتے ہیں، لیکن اور پہنچ کر کچھ نہیں رہتے، مگر آوارگی و انتشار اور فرش پر گر جانے کے بعد صرف ایک سیل بے کار!!

عظیم کے قلب و جگر میں اب کچھ باقی نہیں، اس کے خون میں کوئی حرارت نہیں، مگر انتقام! اس کی نبض کی حرارت اب صرف اسی ایک خیال پر منحصر ہے، جس کے سہارے وہ زندہ ہے۔ وہ اس ذات سے، جس نے اس کی ہستی اور محبت کو تباہ کر دیا ہے، ایک سخت انتقام لینا چاہتا ہے چنانچہ یہی جذبہ تھا کہ جب اس نے خلیفہ کے لشکر کشی کی خبر پائی تو ایک شکاری باز کی طرح میدان حرب میں جھپٹ کر پہنچا، کہ مقنع سے بدلہ لے، جس وقت لشکر اسلام کے لیے کوئی امید باقی نہ رہ گئی تھی، تو عظیم نے اپنے آپ کو اس آگ میں جھونک دیا اور ایک عالم کو فنا ہونے سے بچا

لیا، اور انتقام ہی کے لی وہ اس وقت بھی فخر و مباہات، عزت و عظمت کے خیال سے بے پروا نظر آتا ہے۔ اب اگر کوئی خیال اس کی تنفس کی آمد و شد کا تنہا سہارا تو صرف یہ کہ کسی طرح وہ برق سوزندہ کی ایک تڑپ بن جائے انتقام لے اور افسردہ ہو جائے!

مقنع ایک مختصر گروہ کے ساتھ جیحوں کو عبور کر کے مرو جا پہنچا ہے اور اپنے گم کردہ تخت عظمت پر آخری بار نگاہ حسرت ڈال کر نخشب میں مستحکم ہو جاتا اور اپنا سفید پرچم بلند کر کے پراگندہ جماعت کو فراہم کرتا اور متعاقب فاتحین کا انتظام کرتا ہے۔

مقنع اپنے غنچہ زار شعریت و موسیقیت کی تمام شیرینی میں صرف ایک ہی ہستی کو منتخب کر کے اپنے ساتھ لایا تھا اور وہ ہستی بدنصیب زلیخا تھی۔ اس کا یہ انتخاب حسن جمال کی بنا پر نہ تھا کیونکہ وہ تو اب اس کلی کی طرح تھی جو شام کی اداسی میں شاخ سے گر کر مرجھا گئی ہو اور نہ یہ نگاہ انتخاب بر بنائے محبت تھی، کیونکہ مقنع کے خارزار دل میں اس پاک جذبے کا پایا جانا محال تھا، بلکہ زلیخا اس کا شکار تھی اور یہی سبب اس کے منتخب ہونے کا تھا۔

رات نے تمام عالم کو تاریک بنا دیا ہے اور سامنے کے وسیع میدانوں میں چراغاں کا سماں پیش نظر ہے، گویا برسات میں کوئی کنج باغ سامنے کر دیا گیا ہے، جہاں بے شمار جگنو منتشر ہیں۔ ان روشنیوں کے سامنے حملہ آور کا کیمپ روشن ہے۔ جس کی قناتوں اور خیموں کا وسیع و طویل سلسلہ منتہائے افق تک چلا گیا ہے۔ مقنع اس شہر خیام کو دیکھتا اور یہ خیال کر کے کہ ہر چند میری قوت ایک حد تک پامال ہو چکی ہے پھر بھی مجھ سے عہد برآ ہونے کے لیے لاکھوں کا لشکر درکار ہے، مسکرا دیتا اور سوچنے لگتا ہے۔

''اس شیطان کی مدد سے، جس نے شاہ اسیریا کی عظیم الشان فون کو آن واحد میں تباہ کر دیا، میں اس لشکر کو بھی مٹا دوں گا اور آج رات کو دوزخ کے تمام گڑھے

اس فوج سے بھر دیئے جائیں گے۔ انجام کار، تخت کا مالک پیغمبر ہو یا خلیفہ، بہر حال اس نوع انسان کو تباہ ہونا ہے اور میں اس نفرت انگیز دنیا کو مظلومیت کی چیخ پکار سے آباد دیکھ سکوں گا!''

مقنع اس طرح اپنے خبث باطن کو تسلی دے کر، اس مختصر جماعت پر نظر ڈالتا ہے جو اس کے گرد موجود ہے اور اس سے مخاطب ہوتا ہے۔

''اس آسمانی نور کے محافظو جس کی روشنی نہ تو خون کے سمندروں سے ماند پڑ سکتی ہے اور نہ دنیا کی کوئی اور چیز اسے دھندلا سکتی ہے، یاد رکھو کہ اس کی تابش کے سامنے وہیم کا سرہ اور جواہر آبدار اسی طرح افسردہ ہو جاتے ہیں جس طرح طلوع سحر کے وقت آسمان پر ستارے میرے بہادرو، خوش ہو جاؤ کہ کامیابی ہمارے سامنے ہے اور فتح وظفر ہماری کنیز! لوح مقدس پر، جسے فرشتوں کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ پیشین گوئی ثبت ہو چکی ہے کہ جس وقت نخشب کے چاہ مقدس سے چاند طلوع کرے گا، اسلام کی حشمت کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا اوپر نظریں اٹھاؤ اور دیکھو!''

پیروان مقنع نے اس جملے کے ساتھ ہی نگاہیں اٹھائیں اور ایک عجیب وغریب روشنی کا طوفان چھایا ہوا دیکھا! چاہ نخشب سے ایک پورا چاند طلوع کر کے عروج پر پہونچتا ہے اور تمام آبادی و ویرانہ منور ہو جاتا ہے! تمام لوگ اس ساحرانہ نمائش سے مبہوت ومرعوب ہو کر سجدے میں جھک جاتے اور سمجھتے ہیں کہ چاند ان کی ہزیمت پر رحم کھا کر آئندہ جنگ میں ان کی امداد کے لیے نیچے اتر آیا ہے! یہودیوں نے دیکھا اور یقین کر لیا، کہ یہی وہ نور ہے جو موسیٰ کے لیے ظاہر ہوتا تھا، اور اب امت موسیٰ کی سلاسل غلامی کو توڑنے کے لیے روشن ہوا ہے۔

سارا گروہ ہم آہنگ ہو کر نعرہ فتح بلند کرتا ہے۔ مقنع جو موقع کا انتخاب کرنے میں کامل ہے فوراً شہر کے دروازے کھول دیتا اور مہدی کے لشکر پر حملہ آور ہو جاتا

ہے۔لشکر اسلام کا طلایہ گرد سوار جو اپنے فرض منصبی کو فراموش کر کے اس مافوق الفطرۃ روشنی کے تماشے میں محو ہو گیا تھا اپنے تئیں آہنی بازوؤں کی غیر متوقع گرفت میں پاتا ہے اور اس کی خوفناک چیخ کے ذریعے سے لشکر اسلام کو حملے کی اطلاع ہو جاتی ہے۔

''بڑھے چلو بہادرو! اس روشنی کی سمت بڑھو، جو سامنے سراپردہ شاہی کو نمایاں کر رہی ہے۔اپنی تلواروں کو ادنی درجہ کے خون سے بے آب نہ کرو، خلیفہ تو اس قنات کے اندر مصروف راحت ہے۔وہ نیزہ خوش نصیب ہے جس کا صرف ایک وار اس کی حیات کو قطع کر سکے۔''

تلوار کے مقابلے میں تلوار اور نیزہ کے جواب میں نیزہ، بلند ہونا شروع ہو جاتا ہے اور کیمپ کی تیز روشنیوں میں سپاہ اسلام شہد کی مکھیوں کی طرح آواز طبل کے ساتھ ہی امنڈ پڑتی ہے اور آخری ساری فوج اپنی پوری قوت کے ساتھ تیار ہو کر مقابلہ آرا ہوتی ہے۔حملہ کو مجبور ہو کر پھر راہ نخشب اختیار کرنی پڑتی ہے۔مقنع کا نقرئی نقاب اس ہنگامے میں کبھی اس طوفان زدہ کشتی کے بادلوں کی طرح نظر آ جاتا ہے جسے وقتاً فوقتاً طوفان ہی کی خفیف اور دھندلی روشنی نمایاں کر دیتی ہے۔

لیکن کیا اس مغرور ہستی کا پندار بالکل پامال ہو گیا ہے؟ کیا اس کے ابرو نے مغرور غم کو سیدھا اور اس کی ختم نہ ہونے والی جرأتوں کو ضعیف کر دیا گیا ہے؟ نہیں، ہر چند وہ بدنصیب، جن کو شب گذشتہ اس نے فتح کامرانی کا یقین کرا دیا تھا، نصف کے قریب تہ تیغ ہو چکے ہیں، لیکن اس وقت پھر وہ سب کو حکومت و عزت حاصل ہونے کا یقین دلا رہا ہے، اور وہ ہیں کہ اب بھی اس کی باتوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ایک عاشق ان نگاہوں کی طرف سے جنھوں نے اس کا دل چرا لیا ہے بے اعتبار ہو سکتا ہے۔ایک بچہ آسمان پر قوس وقزح کے ساتھ کھیلنے کا خیال بھلا دے سکتا ہے، ایک کیمیا گر اپنے بنائے ہوئے سونے پر شک کر سکتا ہے، لیکن اعتقاد، جب

ایک دفعہ قائم ہو جاتا ہے تو پھر متزلزل نہیں ہوتا اور اس کا استحکام ایک طلسمی صورت اختیار کر لیتا ہے!

خراسانی خادع تالیف قلوب کے ان تمام طریقوں کا ماہر تھا جو صرف عزازیل ہی کو معلوم ہیں اور اس لیے وہ آخر وقت تک ہمت نہیں ہارا، اور اپنی تمام تدابیر کے دوران میں اس نے زلیخا کو فراموش نہیں ہونے دیا۔

بدنصیب زلیخا! اگر فہم و ادراک تیرے دماغ میں یکسر خوابیدہ نہ ہو جاتے تو وہ خوف ناک مناظر جو اس وقت گزر رہے ہیں ایسے تھے کہ تو ان کا نصف حصہ بھی برداشت کرنے کے لیے زندہ نہ رہ سکتی۔ اور موت کا فرشتہ تیری روح کو مقام موعود پر پہنچا دیتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا، کیونکہ تیرے خیال پر بلکہ خود زندگی پر ایک قسم کا شک، ایک تعطل، ایک بے حسی، (اس خوف ناک رات کے بعد سے، جبکہ تجھے ایک سخت روحانی جدوجہد کرنا پڑی تھی) طاری ہے۔ اور اس وقت سے تیرے امن و راحت کی آخری امید بھی تیرے پاس سے رخصت ہو گئی ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی رشتہ جنوں نمودار ہونے کے لیے ایک ناکام کوشش کرتا رہا ہے، جیسے کوہ آتش فشاں اپنے اندر رقیق مادہ کو وقتاً فوقتاً لہروں کے ذریعے سے باہر نکال کر پھینک دینے کے لیے آمادہ رہتا ہے، لیکن تو اس وقت بھی تعطل و بے حسی کی تصویر بنی رہی!

مقنع کے حکم سے، زلیخا پھر اسی شان رعنائی سے سنواری جاتی ہے اور اس کے پسماندہ مریدوں میں جوش عقیدت بڑھانے کے لائی جانے والی ہے۔ گویا وہ ایک ایسی دوشیزہ جمیل تھی جسے مصریان قدیم دلکش انداز میں بنا سجا کر دریائے نیل پر قربانی چڑھایا کرتے تھے۔

زلیخا اپنی قربان گاہ پر جانے قبل سر نیچا کئے کھڑی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آذرستان یونان کا کوئی بت ہے جس میں خون کی جگہ رنج و الم کا گہرا رنگ بھر دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ مقنع کی فتنہ سازیوں کا خزانہ اب خالی ہونے والا تھا۔ طلوع ماہ کا معجزہ اس کے کید عظیم کا آخری حربہ تھا۔ اور زلیخا کے ذریعے سے بھی وہ اب کسی کامیابی کا متوقع نہ ہوسکتا تھا۔ اس لیے اب مایوسی کی تاریکیاں اس پر غالب ہو گئیں اور بے چین ہو کر وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ محاصرین نے آگ کے شعلوں سے حملہ کی اور رات کی تاریکی میں آتش بازی شروع ہوگئی۔

اس طریقہ جنگ سے رات کے تھوڑے حصے میں ہزاروں جانیں تلف ہو جاتی ہیں اور ان مقتولین آتش کی چیخوں سے ساری فضا نالہ و فغاں سے معمور ہو جاتی ہے۔ شہر اور آبادی کی حسین ترین عمارتیں اور ان کی دلکش آرائشیں نذر آتش ہو رہی ہیں۔

ہرچندا سے یقین ہو جاتا ہے کہ اب دنیا میں کوئی جائے پناہ نہیں رہ گئی ہے لیکن اپنی مستقل بے غیرتی کے ساتھ مریدوں سے کہتا ہے۔

''ہرچند قدر نے ہماری جماعت کو قلیل و مختصر کر دیا ہے اور ان لوگوں کو ہم سے چھین لیا ہے جو اس کی روشنیوں کے چمکانے کا سبب تھے، تاہمیں بادشاہوں اور سلطنتوں کو تباہ کرنا ہے! کیا تم نے قدرت پر اعتماد رکھنا چھوڑ دیا ہے۔ اس قدرت پر جو تمہاری روشنی اور تمہارا ستارا ہے؟ کیا تم یہ یقین نہیں کرتے کہ تمہارے پیغمبر کی نگاہوں میں آسمانی بجلیاں جو اس وقت تک خاکستر کر سکتا ہے؟ یاد رکھو کہ وہ بجلیاں جو اس وقت تک مستور نہیں، اب دنیا ان کا تماشا کرے گی! اور آج کی شب میرے برگزیدہ مریدو! تمہاری خستہ و درماندہ روحوں کے لیے وہ سامان اکل و شرب مہیا کیا جائے گا جو کروبیان عرش کی غذا ہے، جو تمہارے اندر تمہاری روحوں کو نئی زندگی سے معمور کر دے گا! تمہارے واسطے بادہ احمر فراہم کیا جائے گا جو سیہ چشم حوران بہشت صرف اپنی محبوب ندیموں کو پلایا کرتی ہیں! اور تمہاری مسرتوں کے لیے آج کی شب تمہارا پیغمبر اپنے تجلی بار چہرہ سے نقاب جدا کر دے گا۔''

مقنع کا ایک ایک لفظ جماعت پر سحر کا سا کام کرتا ہے اور یہ لوگ پھر ایک نئی طاقت عمل سے لبریز نظر آتے ہیں، لیکن ان کی یہ حیات تازہ ایک سرابی زندگی ہے جس طرح دم نزع کوئی شخص سنبھالا لے اور اک شربت کا گھونٹ لے کر ختم ہو جائے۔ وہ اپنے نیزوں اور تلواروں کو جوش مسرت میں بلند کر کے ''آج کی رات!'' کا نعرہ لگاتے ہین۔ مقنع بھی ان کا ہم آہنگ ہوتا ہے، مگر اس کی آواز جوش وخروش سے معدوم ہے۔ اور اس کا دل اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا ہے۔ دنیا نے ان صید ہائے فریب خوردہ کی مسرتوں سے زیادہ المناک شاید ہی کوئی مجلس عزا دیکھی ہو۔

رات نصف سے زیادہ گزر جاتی ہے اور سرخوشانہ مگر بے نتیجہ نعروں کی ہنگامہ آرائی کے بعد ایک خوف ناک سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ زلیخا ویرانی دل کی سوگوار زلیخا، مکان کے دوسرے حصے میں متفکر و متامل ہے کہ ایک غلام، مقنع کی طرف سے پیغام طلب لے کر آتا ہے وہ اپنے کانپتے ہونٹوں سے اس پیغام کو سناتا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کا رنگ سا ہی مائل ہو جاتا اور اس سے قبل کہ وہ پیغام کے الفاظ کو دہرا سکے، زلیخا، کے قدموں پر مردہ ہو کر گر پڑتا ہے اور زلیخا سر سے پاؤں تک لرز جاتی ہے۔

ساری فضا خاموش ہو گئی تھی حتیٰ کہ دشمنوں کے کیمپ سے بھی کوئی صدا نہیں آ رہی تھی۔ اس سکون مطلق میں زلیخا مقام جشن کی سمت روانہ ہوتی ہے، لیکن پھر دفعتاً ٹھہر جاتی، اور اپنے سامعہ کو ایک طرف متوجہ کر دیتی ہے!

آہ! یہ مقنع کے قہقہے کی آواز تھی مگر اس ہنسی کی آواز کے بعد ہی ایک اور نہایت خوف زدہ آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ کیا یہ صدائیں محفل عشق اور مقام جشن سے آ سکتی ہیں؟ وہ اندر داخل ہو جاتی اور ایک مکروہ منظر دیکھتی ہے۔ زردی مائل نمود صبح کی روشنی، شمعوں کی سفی و مضمحل روشنی سے مل کر زلیخا کے سامنے یہ منظر پیش کر رہی

ہے۔ کہ محفل کا نفسی فرش ابتر ہے، بخور دان آخری سانسیں لے رہے ہیں۔ پھولوں کے شکستہ ہار بکھرے ہوئے ہیں۔صراحیاں اور پیانے جو سنہری شرابوں سے بھر بھر کر نہایت حریصانہ طریقے پر خالی کیے گئے تھے، جا بجا اوندھے پڑے ہیں! یہ سوال فضول ہے کہ وہ کس قسم کے جرعوں سے لبریز تھے کہ اس کے آثار سے تو اس مقام کا ہر حصہ معمور ہے! جشن کے ہر مہمان کا چہرہ یا تو سیاہ ہو کر سینے کی طرف جھک گیا ہے، یا آسمان کی بلورین صباحتوں کا دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا! بعض جو در حقیقت بہادر تھے اور میدان جنگ میں اپنے پیغمبر کے پہلو بہ پہلو نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ موت کا خیر مقدم کرنے کو تیار و آمادہ تھے، اس وقت بے حس و حرکت ہو کر رہ گئی ہیں! مگر ان کی حالت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس عیاری و مکاری سے وہ دم واپسیں واقف ہو گئے تھے اور یہی وجہ ہے کہ جذبہ انتقام ان کی آنکھوں میں قائم ہو کر رہ گیا ہے!

مقنع کا نقاب الٹا ہوا ہے، تا کہ رہروان جحیم کی آخری نگاہیں اچھی طرح سیراب ہو لیں وہ اس کی شکل میں اس بجلی موعود کو نہیں پاتے، جس کی برق وشی دشمنوں کی جمعیت عظیم کو آن واحد میں خاکستر کر دینے والی تھی! بلکہ وہ ایک صورت دیکھتے ہیں، جس کے سامنے عفریت جہنم، اور غول بیابانی بھی خوش منظر و خوب صورت کہے جا سکتے ہیں۔ مقنع بعض ہلاک شدا اور بعض نیم جاں فدائیاں مذہب کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

''عاقلان برگزیدہ! اپنا ستارہ، اپنی روشنی دیکھ لو، تم کسی نہ کسی کا حیلہ کار اور شکار ہونے کے لیے مخلوق ہوئے تھے کیا یہ کافی نہیں؟ اور کیا یہ ضروری ہے کہ میں وہ آخری ذرہ زندگی بھی جو تمہارے پاس باقی رہ گیا ہے تم سے چھین لوں؟ تمہیں معلوم ہے کہ یہ مرگ ہیبت جو تمہارے اندر اس وقت شعلہ زن ہے وہ بے خودی کا وہ درجہ ہے۔ جہاں سے برکات سماوی شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ مکروہ صورت جس

سے زیادہ بد ہیئت شکل کبھی بھی ذلیل نسل انسانی کی تحقیر کا باعث نہیں ہوئی۔ خود قدرت کی وضع کردہ اور پسندیدہ ہے!

افسوس میرے تبریک وتہنیت نصف بھی بیان نہ ہونے پائی تھی کہ یہ ناشائستہ روحیں پرواز کر گئیں! اچھا نیک روحو، الوداع!

اہا، میری نوجوان عروس! بہتر ہوا کہ تم آ گئی معلوم ہوتا ہے کہ تو نے اس سے قبل مردوں کو کبھی نہیں دیکھا، کیونکہ تو کانپ رہی ہے نہیں؟! تو تو ان کو دیکھ چکی ہے۔ میری پیاری! انھوں نے تو ہمارے عقد کی رسم ادا کی تھی۔ آج میرے ان مہمانوں نے اپنے رخصتی جام خوب لبریز کئے اور لازمی ہے کہ تو بھی ایک پیالہ شراب پر تجدید عہد کرے گی۔ مگر یہ کیا ہے؟ یہاں تو شراب کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہا! تمام ظروف خالی پڑے ہیں! میری نوجوان محبوبہ! تجھ سے قبل یہاں حریصوں کا مجمع تھا اور انھوں نے ایک قطرۂ شراب بھی باقی نہیں چھوڑا، لیکن ذرا ٹھہر، ایک قطرہ باقی رہ گیا ہے وہ اس قدر کیف پرور ضرور ہوگا کہ ایک نازک پیغمبرہ کے خون کو حرارت میں لے آئے لے، پی جا! اور اگر تیرے عاشق کا دست نصرت اس مقام تک دراز ہو سکے اور اس وقت تک تیرے لبوں کا جذب وکشش زائل نہ ہو جائے تو اپنے ایک بوسے کے ذریعے اس کا نصف زہر اس کو پہنچا دیجیو۔ کیونکہ اس صورت میں مجھے اپنے رقیب کی یہ خوش نصیبی وعشرت پذیری کہ وہ تیرا بوسہ لے، گوارا ہو سکتی ہے اور میں اس کی اس جرأت کو نظر انداز کروں گا''۔

''مجھے اب خود بھی فنا ہو جانا ہے، لیکن میں ان پست وذلیل لوگوں کی طرح فضا کو متعفن نہیں کرنا چاہتا کہ میری لاش کی ذلت کی جائے اور جب میں دفن کیا جاؤں تو دنیا طعن کرے کہ یہ ہے وہ جو پیغمبری یا خدائی کا مدعی تھا! میں شعلوں میں اپنے تئیں جلا کر خاکستر کر دوں گا، کیونکہ وہ ایک غسل نور ہوگا، جو پیغمبروں کے لیے موزوں ہے! اس سے قبل کہ مجھے یہ بھڑکتے شعلے راکھ کی صورت میں بدل دیں؟

تیری نبضیں بھی ساقط ہو چکی ہوں گی۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ایک متنفس بھی ایسا باقی نہ رہے جو میرے بعد دنیا کو اطلاع دے سکے کہ مقنع کہاں گیا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری منتشر امت جو اس وقت نہ معلوم کہاں کہاں پریشان ہے، دنیا کے سامنے کہہ سکے کہ پیغمبر آسمانی تو آسمانوں سے آیا تھا اور آسمان ہی کی سمت چلا گیا اور صرف اس لیے روپوش ہوا ہے کہ ایک روشن اور بے نقاب تبسم کے ساتھ دنیا میں پھر پہنچایا جائے دنیا اپنی خوش اعتقادی سے میرے نام کی عبادت گاہیں قائم کرے گی جہاں چالاک و حیلہ جو لوگ مجاوری کریں گے اور اس طرح میں مر کر بھی اس نسل انسانی سے انتقام لیتا رہوں گا!

''اب وقت باقی نہیں ہے، دیکھ کہ مجھ جیسا بد کردار کیونکر ایک معبود بن سکتا ہے!''

مقنع کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے آخری جملوں کے ساتھ ساتھ اپنے تئیں آگ کے شعلوں کے سپرد کر دیتا ہے اور زلیخا تنہا رہ جاتی ہے۔

صبح نمودار ہوتی ہے اور محاصرین شہر کی دیوار پر حملہ کرتے ہیں یہاں تک کہ دیوار میں ایک چھوٹا سا راستہ پیدا ہو جاتا ہے۔ عظیم فوج کے بڑے حصہ کو لے کر اندر داخل ہو جاتا ہے۔ ہر چند کہ خلیفہ مہدی کو اس طرح داخل ہو جانے میں تامل ہوتا ہے۔ شہر کے راستے قطعاً ویران ہیں، یکسر خاموشی طاری ہے، وجود اور عدم کا ثبوت ہر ہر قدم پر نظر آ رہا ہے۔ تمام سپاہ اسلام حیران و سرگشتہ ہے کہ سامنے سے ایک نقاب پوش ہستی نمودار ہوتی ہے۔ اور ''وہی ہے'' کا شور مچ جاتا ہے! مقنع اور تنہا!! کامل بپا ہو جاتا ہے۔ اس کو دیکھتے ہی عظیم، خلیفہ کی رکاب پکڑ لیتا اور کہتا ہے!

''خلیفۃ المسلمین، یہ میرا حصہ ہے، اس شیطان مجسم کو میرے سوا کوئی قتل نہ کرنے پائے۔ حضور سے میری یہی ایک التجا ہے!'' خلیفہ اس درخواست کو منظور کر لیتا ہے اور عظیم نہاتی جوش کے ساتھ نقاب پوش کی جانب بڑھتا ہے۔ جیسے ہی وہ دونوں

ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں۔ عظیم کا نیزہ اس کے سینے میں تیر جاتا ہے۔ نقاب سرکتا اور چہرہ کھل جاتا ہے اور عظیم مقنع کے بجائے جمال زلیخا کا نظارہ کرتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ اس کا خون حیات بہا جا رہا ہے اور اپنے رعشہ ناک ہاتھوں سے اسے اٹھا لیتا ہے، زلیخا کہتی ہے۔

آہ عظیم! میرے پیارے! میں نے یہ خیال ہرگز نہیں کیا تھا کہ اس ادائے فرض کی تکلیف تم کو دوں! تمہاری موجودگی میں اس طرح کی موت آنا، ہر چند کہ بے شمار لذات، و برکات کا موجب ہے اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم باوجود میری نااہلی کے مجھے ان سے محروم نہ کرنا چاہو گے! کاش تم جان سکتے کہ میں نے کتنی بار خدا کی بارگاہ میں یہ تمنا کی ہے کہ میری موت تمہاری موجودگی میں آئے۔ ملعون مقنع کا زہر اس قدر قلیل تھا کہ اس کا اثر اب تک نہ ہو سکا۔ اسی لیے میں نے چاہا کہ اس کا نقاب پہن لوں تا کہ فوراً ہی صدہا تلواریں میرے اوپر برسنے لگیں اور میں چشم زدن میں اس کرب سے نجات پا جاؤں۔ شکر ہے کہ اس وقت وہ تمام ظلمت و تاریکی، مایوسی و بے چارگی، جو میری آوارہ روح کی نیس تھی، نہایت آسانی سے رفع ہوتی جا رہی ہے۔ تمہاری نگاہ لطف کی روشنی میرے اوپر اس طرح نازل ہو رہی ہے، جس طرح رحمت خداوندی کی اولین نمود صبح! اور اگر تمہارے پیارے لبوں سے میں یہ سن سکوں کہ تم نے مجھے معاف کر دیا، تو میں فرشتوں کے زبان سے بھی یہ الفاظ دہراتے ہوئے سن لوں گی۔ لیکن میرے پیارے عظیم، اف! تمہیں اپنا کہہ کر پکارنا ایک رویائے جنت ہے، تم زندہ رہنا! میری روح کی خوشی کے لیے زندہ رہنا۔ اگر تمہیں کبھی بھی مجھ سے محبت ہوئی تھی، اگر تمہارے لیے اپنی زلیخا سے دوسرے حال میں ملنا گوارا ہو سکتا ہے۔ تو زندہ رہنے کی کوشش کرنا! اور صبح و مسا درگاہ خداوندی میں، جس کے حضور، عظیم تمہارے ہونٹوں اور دل سے زیادہ پاک تر ہونٹوں اور دل نے کبھی دعا نہ مانگی ہو گی۔ میرے لیے دعائے مغفرت کرنا! شاید

اس رحمت سے، اس لیے کہ تم طلب عفو کرو گے اور اس لیے کہ میرے دل میں تمہاری محبت ہے، مجھ پر عنایت ایزدی ہو جائے!

ان باغوں اور مرغزاروں میں جانا جہاں اول اول دو دل، ایک دوسرے میں جذب ہو گئے تھے! اس فضا میں صبا کا ہر جھونکا، وہاں کے ناقابل فراموش پھولوں پر سے گزرتا ہوا تمہاری روح کے لیے پھر وہی شیریں اور معصوم ساعتیں پیش کر دے گا اور ممکن ہے کہ تمہارے دل میں بدنصیب زلیخا کے لیے پھر وہی جذبات پیدا ہو جائیں! شبنم کے ان قطرات عشق سرشت کی طرح، جو جلوۂ خورشید کے عکس فگن ہوتے ہی جو سما میں جذب ہو جاتے ہیں۔ تمہاری دعائیں بھی محبت کی تمام خوشبوؤں کے ساتھ عرش تک پہونچیں گی اور اگر..... لیکن اب میرے حواس ساتھ نہیں دیتے اف، ایک لمحہ..... اور اگر تمہاری دعائیں مقبول ہوئیں اور اگر مغفور روحیں اس دنیا میں اس لیے آسکتی ہیں کہ وہ اپنی راحتوں اور مسرتوں کا اظہار ان پر کر سکیں جن کے ساتھ ان کو محبت رہی ہے، تو میں تمہارے پاس آؤں گی، ایک خواب شیریں بن کر آؤں گی اور کہوں گی میں وہی ہوں! پیارے عظیم، خدا حافظ!!"

(۷)

دنیا میں کیسے ہی اہم اور سنگین حادثات اور واقعات کیوں نہ رونما ہوں، وقت کی روانی کچھ اس قدر تیز اور اس درجہ مصروف ہے کہ اسے کوئی شے اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی، اور کسی کے روکے رک نہیں سکتی! زلیخا کی ہلاکت کے بعد زمانہ گزرتا گیا، حتی کہ عظیم نے اپنے شباب کو شیب سے بدل لیا۔

دریائے جیحوں کے مصفا کناروں پر ایک بوسیدہ قبر کے پہلو میں ایک ضعیف آدمی جھکا ہوا۔ آفتاب صباحی نے مدتوں اس کے غمزدہ چہرہ پر آنکھ کھولی ہے اور شام کے ستارے ایک مدت سے اسے اسی طرح مشغول دعا دیکھ رہے ہیں! آج اس وقت بھی وہ اس فرض محبت کے ادا کرنے میں مصروف ومحو ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ فرض اب اختتام کے قریب ہے، کیونکہ اس کے چہرے پر علامات مرگ نمایاں ہیں! لیکن اس کے ساتھ، موت کی حسرتوں میں ملی ہوئی ایک شعاع مسرت بھی اس کی ضعیف مگر منور پیشانی پر موجزن نظر آ رہی ہے۔ جس نے موت کو بھی حسین و پر رونق بنا دیا ہے! جس طرح شام کی اداس تاریکیوں میں شفق کا شہابی رنگ دلکش ہو جاتا ہے اسی طرح اس ضعیف ہستی کی چند آخری سانسیں بھی رنگینی مسرت سے دمک رہی ہیں!

گذشتہ رات اس نے زلیخا کو خواب میں دیکھا ہے جو اس سے کہہ گئی ہے کہ ''رحمت الٰہی نے میری لغزشوں کو معاف کر دیا۔'' یہ مژدہ روح فزا سن لینے کے بعد عظیم شکرانہ نعمت میں اپنی آخری سانسوں کو صرف کر دیتا ہے، اور خود بھی زلیخا کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے الف ومسرت کی نیند میں غرق ہو جاتا ہے!

اتفاقاً فضل الدین پر اس سفر میں چند غیر معمولی حادثات گزر گئے، سب سے پہلی بات تو یہ ہوئی کہ ڈاک رسائی کے انتظام میں کچھ ایسی ابتری پیدا ہو گئی کہ مزگانوں کے آم جو شاہی دسترخوان کے لیے روانہ آیا کرتے تھے، وقت پر نہ پہونچ

سکے اور کچھ چینی کے برتن جو نہایت نادر و بیش قیمت تھے اور قدیم شاہان چین کے استعمال میں رہ چکے تھے، خادموں کی غفلت سے ٹوٹ گئے۔ ان سب پر طرہ یہ ہوا کہ باورچی نے ایک دن کھانے میں بجائے سیاہ مرچ کے سرخ مرچ ڈال دی ان تمام اسباب کی موجودگی میں بہ آسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ فضل الدین کی تنقید کس قدر دقیق ہونا چاہیے۔ چنانچہ جب ابن مقنع کا فسانہ ختم ہوا تو فضل الدین نے اپنے مروارید کی تسبیح کے دانے جلد جلد گراتے ہوئے کہا:

''اس نوجوان شاعر کی مثنوی کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے اور اس پر تنقید کرنے کے لیے ضروری نظر آتا ہے کہ سب سے پہلے اس قسم کے افسانوں پر جو اب تک.....''

شہزادی لالہ رخ قطع کلام کر کے کہنے لگی ''میرا خیال ہے کہ ہم اس کے مستحق نہیں ہیں کہ آپ کو اس قسم کی تصانیف پر تبصرہ کرنے کی تکلیف دیں، جو اب تک لکھی گئی ہیں، البتہ جو مثنوی ہم نے ابھی سنی ہے اس پر آپ کی رائے کا اظہار ہم سب کے لیے غالباً سبق آموز ثابت ہوگا۔''

فضلیت مآب نقاد، شہزادی کے اس فرمان پر کچھ کبیدہ ہوا، کیونکہ وہ اپنے فضل و کمال کا جوہر دکھانے سے روک دیا گیا تھا، تاہم انے اس مثنوی کے متعلق اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا۔

''اگر میری عقل غلطی نہیں کرتی، تو اس فسانے کے مخصوص اشخاص میں ایک وہ بدصورت شخص ہے جس کا چہرہ نقاب کے اندر پوشیدہ ہے، دوسری ہستی ایک نوجوان لڑکی کی ہے جو ایک وقت ذی ہوش نظر آتی ہے اور دوسرے وقت مسلوب الحواس یعنی شاعر اپنی مرضی کے مطابق کبھی اسے ذی فہم اور صائب الرائے دکھا دیتا ہے اور کبھی دیوانہ و بے عقل، تیسرا وجود ایک نوجوان کا ہے، جس کے سر پر ایک بدنما بخارائی وضع کی ٹوپی ہے، یہ نوجوان اس کریہ المنظر انسان کے دعوائے پیغمبری کو تسلیم

کر کے اس کا پیرو بن جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے مواد سے ایک عمدہ مثنوی کی توقع کیونکر قائم کی جا سکتی ہے؟ ان میں ہر ایک سے مباحثہ کرنے کے بعد ہمارا نقاب پوش دوست آتش سیال کے ایک حوض میں غوطہ زن نظر آتا ہے وہ دوشیزہ ایک فصیح و بلیغ تقریر کرتے کرتے جان دے دیتی ہے اور عاشق دل گرفتہ اپنی عمر طبعی تک اس آرزو پر زندہ رہتا ہے کہ کسی دن وہ اس کی روح کو خواب میں دیکھ لے۔ آخر کار وہ اس میں کامیاب ہو جاتا اور پھر مر جاتا ہے! غالباً تم سب اس سے متفق ہو گے کہ خلاصہ غلط نہیں ہے؟

ہر چند مثنوی کا طرز ادا دلکش ہے لیکن اس میں نہ تو کوئی ادیبانہ صنعت ہے کہ تخیل کی عمومیت کا بدل ہو سکے اور نہ کوئی عبارت آرائی، جس کے باعث وجدان معنی خیز اور حسین بن جاتا ہے اب رہا شاعرانہ پہلو، سو اس کے متعلق اگر زیادہ برائی نہ کی جائے تو بھی مکروہ و قابل نفرت کہہ دینا بے جا نہ ہوگا۔ اس میں نہ تو فردوسی کی سی الہامی روانی ہے، نہ حافظ کی سی قدرتی شیرینی اور نہ سعدی کی سی بے مثال سلاست!''

فضل الدین نے جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ تمام اہل محفل مصروف خواب ہیں، حتیٰ کہ شمع کے شعلے بھی سو جانے کے لیے آمادہ ہیں! وہ اس حرکت پر نہایت برہم ہوا مگر مجبور تھا۔ آخر کار اس نے اپنے خطبہ کو ان الفاظ پر ختم کیا۔

''باوجود ان خیالات کے جو میں نے ظاہر کئے اور جو ایک تنقید کرنے والے کا فرض تھا، میری یہ خواہش نہیں ہے کہ نوجوان شاعر کی دل شکنی کا باعث بنوں اور اس کی ہمت کو پست کر دوں۔ البتہ اگر وہ اپنا انداز بیان تبدیل کر دے تو میں خوش ہو گا''۔

لالہ رخ نے فرامرز کی مثنوی کو بے حد پسند کیا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اس سے کسی دوسرے فسانے کی فرمائش کرے، لیکن اس کی جرأت اس سے قاصر نظر

آئی۔

اس کے بعد قافلہ ایک وادی میں پہونچا یہ وہ مقام تھا جو چند ہی سال قبل لالہ رخ کی بڑی بہن شاہزادی روشن آرا کے سفر کشمیر کے وقت آراستہ کیا گیا تھا۔ شاہزادی اس مقام کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئی اور بولی۔

''میرا خیال ہے کہ یہ مقام بہار کی دیوی کا مسکن ہے جس کی پرستش معابد خطا میں کی جاتی ہے۔ یا پھر یہاں وہ پریاں رہتی ہیں جن کی غذا صرف پھولوں کی نکہت ہے!''

فرامرز جس کی نظر میں لالہ رخ ہی بہار کی دیوی تھی اور پری بھی کہنے لگا۔

''مجھے ایک پری کا چھوٹا سا قصہ یاد ہے، اگر شاہزادی کا ایمای پاؤں تو عرض کروں۔''

فضل الدین نے کچھ نہ کہا۔ اور شاہزادی لالہ رخ نے ایک تبسم کے ساتھ فرامرز کی آمادگی کو بہت پسند کیا اور فرامرز نے ستار اٹھا کر اس طرح سنانا شروع کیا۔

بہشت اور پری!

صبح کی نورانی فضا میں عدن کے دروازے پر ایک پری حزن اور ملال کی حالت میں کھڑی ہے۔ بہشت کا دروازہ ایک ذرا کھلا ہوا ہے، فردوس کے چشموں کی روانی اس کے سامعہ کو مسحور کر رہی ہے اور وہاں کی نورانی صباحت کا انعکاس اس کے بازوؤں کو تاب ناک بنا رہا ہے۔ پری بے انتہا غمگین اور ملول ہے، اس کے بلوریں رخساروں پر آنسو جاری ہیں۔ وہ نیم وا دروازے کے اندر دیکھتی ہے اور خیال کرتی ہے کہ ''وہ پاک روحیں جو عدن کے اندر مصروف گلگشت ہیں، کس قدر خرم و مطمئن ہیں اور اس بہار رنگ و بو میں جس کے لیے افسردگی و پژمردگی کا کوئی مفہوم نہیں وہ کس لطف سے ہمیشہ مقیم رہیں گی! اور اگرچہ پرستان کے باغات و قصور بہت اچھے ہیں، زمین اور سمندر کے تمام پر فضا مناظر بھی میری ملکیت میں ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ خلد کا ایک غنچہ بھی دنیا کی تمام بہاروں کو شرمندہ کر سکتا ہے! ہر چند کشمیر کی جھیلوں کی درخشانیاں، اس کے جزیروں کی آئینہ سامانیاں اور شفاف چشموں کی شیرین نغمے پر لطف ہیں، تبت کی رود زرین کے روانی بے حد تابناک ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلسبیل و تسنیم کی روانی کے سامنے ان کی خوبیوں کا ذکر نا ہی کفر ہے! ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک پرواز کرتے رہنا، ایک دنیا سے دوسری دنیا تک پرواز کرتے رہنا، ایک دنیا سے دوسری دنیا تک سیر و سیاحت پر قادر ہونا۔ ہر لحظہ اور ہر فضا کی مسرتیں اپنے لیے حاصل کر لینا، گو نہایت پر لطف بات ہے، لیکن یہ سب کچھ بہشت کے لیے ایک لمحہ بھی برابر نہیں ہو سکتے۔!

باب النور کے محافظ، رضوان نے اسے زار و قطار روتے دیکھا۔ کسی قدر قریب ہو کر اس کا مغموم گیت سنا اور جذبہ رحم سے ایک آنسو اس کی آنکھ میں آ کر اس طرح ٹھہر گیا جیسے بہشت کے فوارے سے کوئی قطرہ اڑ کر گل نیلمی کی پنکھڑی پر قائم ہو کر چمکتا رہتا ہے! رضوان نے اس پیکر مسرت سے کہا:

''اے خطا کار مگر حسین نسل کی جمیل ترین دوشیزہ! تیرے لیے اب صرف ایک ہی امید باقی رہ گئی ہے۔ کتاب تقدیر میں درج ہے کہ پری اگر وہ تحفہ لائے جو خدا کو بہت پسند ہے تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے! اس لیے، جا اور اس تحفے کو تلاش کر، تا کہ تیرے گناہ کا کفارہ ہو سکے میں بہت خوش ہوتا ہوں۔ جب گنہگار ہستیوں کی خطائیں معاف ہوتی اور میں انہیں بہشت کے اندر جاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔''

جس طرح شہاب ثاقب نہایت سرعت کے ساتھ آفتاب میں جذب ہو جاتا ہے جس طرح رات کی تاریکی میں کوئی ستارہ ٹوٹ کر نگاہوں سے غائب ہو جاتا ہے، اسی طرح وہ پری بھی سرعت پرواز کے ساتھ سقف نیلمی سے اتری اور صبح کے اولیں تبسم کی روشنی میں بسیط فضائے ارض کو دیکھنے لگی وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکتی تھی کہ اس تحفے کو جو خدا کے نزدیک بہت محبوب ہے، کہاں تلاش کرے؟ اس نے خیال کیا۔

چہل مینار کے ستونوں کے تاب ناک عقیق کے دفینے میرے علم میں ہیں، عرب کے جنوبی ساحلوں کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے جزائر عنبری میری نگاہ میں ہیں۔ اس مقام سے بھی واقف ہوں جہاں جام جمشیدی چھپا ہوا ہے۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ اس قسم کے تحفے مقبول بارگاہ نہیں ہو سکتے۔! پھر وہ جوہر تاباں کہاں مل سکتا ہے۔ جو بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جا سکے؟''

ہنوز وہ اسی فکر میں تھی کہ اس کی نظر خطہ ہندوستان پر پڑی۔ جہاں کی ہوائیں روح افزا ہیں جس کے سمندر کی گہرائیوں میں عنبر کا فرش ہے، جس کے ساحلوں کی دیواریں مونگے کی ہیں۔ جہاں شعاع خورشید میں غسل کرنے والے پہاڑوں کے نیچے ہیرے کی کانیں جگمگاتی رہتی ہیں اور جس کے رواں چشموں کی موجوں میں سونا حل کر دیا گیا ہے، لیکن اس کے دریاؤں کا رنگ سرخ ہے، انسانی خون سے

چشمے رنگین ہو رہے ہیں باغات سے اس وقت موت کی بو اڑ رہی ہے اور ہر اس سانس میں جو سطح زمین سے بلند ہو رہی ہے انسانی قربانی کی بو شامل ہے۔

وہ پری اس منظر خونی پر ایک نگاہ ڈالتی اور دیکھتی ہے کہ ایک بہادر کے ہاتھ میں تلوار کا صرف لالہ وں دستہ رہ گیا ہے اور اس کے ترکش میں صرف ایک تیر باقی ہے اور ایک پرغرور آواز اس سے کہتی سنائی دے رہی ہے۔

'اپنی جان کی دشمن نہ بن اور موت کے ساتھ کھیلنا پسند نہ کر!''

سپاہی دریا کے بہتے ہوئے رنگین پانی کو دیکھتا ہے اور اپنا آخر تیر کمان میں جوڑ کر اس کے جواب میں روانہ کر دیتا ہے۔ باوجود شست صحیح ہونے کے بھی تیر خطا کرتا ہے اور دشمن اس کو زخمی کر ڈالتا ہے۔ پری اس کو گرتے ہوئے دیکھتی ہے اور آفتاب صبح کی شعاع کی طرح نہایت خاموشی کے ساتھ اس مقام پر اتر آتی ہیں اور قبل اس کے کہ زخم خوردہ سپاہی کی روح جسم سے رخصت ہو، آخریں قطرہ خون حاصل کر کے آسماں کی طرف بلند ہو جاتی اور سوچتی ہے کہ:

''خدا کرے یہی وہ تحفہ ہو، جس کے باعث باب النور پر میرا خیر مقدم ہو سکے! ہر چند کہ جنگ کے میدانوں میں بہہ جانے والا خون اکثر نجس اور آلودہ ہوتا ہے۔ کیونکہ خودغرضی وطمع اس کی محرک ہوتی ہے۔ لیکن جو قطرات خون، آزادی وطن کے لیے اور وطن کی حمایت میں بہائے جاتے ہیں وہ ضرور مقدس ومقبول ہوتے ہیں! یہ خون، وہ پاک خون ہوتا ہے جس کے شامل کر دیئے جانے سے تسنیم وسلسبیل کا پاکیزگی بخشنے والا پانی بھی آلودہ نہیں ہو سکتا! پھر دنیا میں اگر کوئی شے ایسی ہو سکتی ہے جسے خداوند عالم پسند فرمائے تو وہ یہی قربانی ہے جو حریت کے نام پر دی جاتی ہے۔''

دروازہ بہشت پر پہنچ کر وہ اپنے اس ہدیہ گراں قیمت کو جذبہ امید ومسرت کے ساتھ رضوان کے سامنے لاتی ہے تو وہ کہتا ہے۔

''کوئی شک نہیں کہ پرستاران وطن کے مقدس جذبے کی یہاں عزت کی جاتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جنت کا بلورین حلقۂ ذرا اسی طرح بند ہے اور ذرا حرکت نہیں کرتا! لہٰذا! تجھے اس سے بھی زیادہ مقدس چیز کی تلاش کرنا چاہیے، جو تیرے واسطے باب جناں کو کھول سکے!''

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۲)

پری یہ سن کر بہت افسردہ ہوئی۔ اور پھر زمین کی طرف لوٹی۔ اس مرتبہ اس کا رخ افریقہ کے دور افتادہ جنوبی گوشے کی سمت ہو جاتا ہے۔ اور جبل قمر کے دامن میں چشمہ مصر کی امواج پر اس کے بازو منعکس ہوتے ہیں۔ نیل کا یہ منبع، بنی آدم کی نگاہوں سے مخفی، تنہا و غیر آباد جنگلوں کے وسط میں واقع ہے اور دریا کی دیویاں اس گہوارہ نیل کے گرد رقص کیا کرتی ہیں وہ روح متجسس ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہوئی اس فضا میں چکر لگانے لگتی ہے۔ ایک وادی میں وہ قمریوں کو مصروف شیون دیکھتی اور اس طرح متوجہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے مقام پر وہ ماہی گیروں کا ایک غول دیکھتی ہے جو نیلگوں پانی کو متحرک کر رہا ہے۔ ان ماہی گیروں کے سفید ملبوس کو رخصت ہونے والے چند کی روشنی سفید تر بنا رہی ہے۔

ان روح افزا وادیوں کے پھلوں کا ماہتاب کی روشنی میں ڈوب ڈوب کر سنہرا ہو جانا، خرما کے درختوں کا ایک نیند کی ماتی پر شباب دوشیزہ کی گردن کی طرف جھک جانا اور اچھوتے کنولوں کا تمام شب اپنے حسن صبیح کو شبنم سے غسل دیتے رہیں گے بعد بیدار ہو کر آفتاب کی سب سے پہلی کرن کا انتظار کرنا یہ سب وہ مناظر تھے جن سے یہ پری بہت متاثر ہوتی ہے۔

ٹھیک اسی حالت میں ایک شاداب درخت نارنج کے سائے میں جس کے پھول اور پھول ہوا کے جھونکوں کے ساتھ جنبش میں آ رہے تھے، اس پری کے کان میں کراہ کی آواز آتی ہے۔ شاید کراہنے والی ہستی اس خاموش مقام پر موت کی تلاش میں آ پہونچی تھی۔ وہ ہستی جس کی زندگی میں اس کی ہر حرکت کے پیچھے پیچھے سیکڑوں قلب مضطرب ہو جایا کرتے تھے، اس وقت اس طرح تنہا چھوڑ دی گئی تھی! گویا دنیا میں اس کا کوئی چاہنے والا نہیں، کسی کو اس کے ساتھ تعلق نہیں، اور اس کے آخری سانسوں کو دیکھنے والی، اس پر دو آنسو بہانے والی کوئی آنکھ نہیں ہے! اف

کیسا حسرت خیز منظر ہے! کوئی نہیں، جو اس وقت اس کے پاس ہوتا اور جو آگ اس کے سینہ کے اندر لگی ہوئی ہے۔ اسے اسے جھیل سے پانی کا ایک قطرہ لا کر جو سامنے اپنی خنکی وصفائی کو پیش کر رہی ہے بجھا دیتا؟

کون جا سکتا ہے کہ اس بے کس جوان کے یہ آخری لمحات صرف ایک خیال کی لذت ومسرت سے آباد ہیں، اور اس کی آمادہ مفارقت روح پر اپنا سکون نازل کر رہے ہیں؟ اس کی یہ آخری ساعتیں مطمئن ساعتیں کہی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ اسے اپنی اس بے کسی کی پروا اس لیے نہیں کہ وہ دوشیزہ جس سے وہ ایک عمر سے محبت کرتا اور ہمیشہ اپنی کہہ کر پکارتا تھا، اس ہلاکت نیم شبی کی اذیتوں سے محفوظ تھی، اپنے خاندان کے ساتھ شاہانہ مکان میں فواروں کے سیمیں تقاطر سے جاری ہونے والی روح فزا خنکی سے سکون حاصل کر رہی تھی!

بادل سے چھپے ہوئے چاند کی روشنی میں، دور سے ایک جسم متحرک نظر آتا ہے، جو نہایت آہستہ آہستہ اس افسردگی بار کنج کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ وجود نزدیک پہنچ کر ایک پر شباب دوشیزہ کی شکل میں بدل جاتا ہے، جس کے رخساروں کے اندر گل تر مستور معلوم ہوتے ہیں۔ یہ دوشیزہ اسی جان بلب نوجوان کی منسوبہ ہے اور اپنے حبیب کے پہلو میں ہلاک ہو جانے کو ساری دنیا کے حصول پر ترجیح دیتی ہے! یہ لڑکی بے تابانہ اپنے بازوؤں کو اس کی گردن میں ڈال دیتی ہے، اپنے رخساروں کو اس کے رخساروں اور اپنی سیاہ زلفوں کو جنہیں وہ جھیل کے پانی میں ڈبو کر لائی تھی، اس کی ملتہب ابروؤں پر رکھ دیتی ہے۔

اف! کس قدر حسرت خیز نظارہ ہے! وہ اس حالت کی تمنا بھی نہیں کر سکتا تھا، اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ مرنے سے قبل ایک ساعت ایسی بھی آئے گی، جب اس کی جان وروح کی ملکہ کے بازو اس کی گردن میں حمائل ہو جائیں گے! لیکن وہ جوان پھر ایک مرتبہ اپنی حالت زار کا احساس کر کے احتراز کرنا چاہتا

ہے، گویا ان اچھوتے مرجان ہونٹوں میں جو اس وقت اس درجہ بے دھڑک پیش کر دیئے گئے ہیں، تمام عالم کا سم قاتل بھر دیا گیا ہے! اس صورت اجتناب نے اس لڑکی پر قیامت برپا کر دی، اور اس نے روتے ہوئے کہا۔

''آہ! اس فضا میں جہاں تم سانس لے رہے ہو، میرا سانس لینا بھی پسند نہیں کرتے! یہ ہوا جو ہر چند ہلاکت بار ہے مجھے نوشدارو کے اثر سے لبریز نظر آتی ہے، کاش میرا خون شدہ دل اس زہر کے لیے تریاق ہو سکتا! لیکن میرے پاس تو صرف یہ آنسو ہیں۔ ہاں میرے گریہ محبت کا تقاطر ہی میرا سرمایۂ حیات ہے اور یہی تمہارے مرض کا علاج ہے! باور کرو، ابھی وقت ہے کہ یہ چشمہ حیات تمہیں سیراب کر سکے، ورنہ اس کے خشک ہونے پر یہ سارا نظام بھی بدل کر رہ جائے گا! تم مجھ سے اظہار نفرت نہ کرو۔ اپنا منہ نہ پھیرو، کیا میں تمہاری نہیں ہوں؟ تمہاری عروس محبت نہیں ہوں؟ میں تو تمہاری نگاہ لطف کا ایک ہدیۂ مقبول ہوں، جس کے لیے دنیا میں اور اس کے بعد بھی، سوائے تمہارے پہلو کے کوئی مقام راحت و سکون نہیں! میری جانب دیکھو، قبل اس کے کہ میں اپنے دل کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جل کر خاکستر ہو جاؤں، تمہارے سرد ہونٹوں کی پاکیزہ زندگی جب تک قائم ہے مجھے بھی اسی زندگی کا شریک رہنے دو!''

فضا کی سم آلود ہوا اس کے چراغ حیات و محبت کو بھی گل کر دینا چاہتی ہے، دباؤ کا زہرناک تنفس اور اس کی آنکھوں کے شیریں نور کو ایک فشار دے دیتا ہے، اس کا دل بیٹھنے لگتا ہے اور وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

تپش اور کرب کا ایک خفیف اظہار کرنے کے بعد درد، درد کی حد سے گزر جاتا اور ٹھنڈا پڑ جاتا ہے! دوشیزہ آنکھ کھولتی ہے، پھر اپنے محبوب کا ایک بوسہ لیتی ہے موت کا فرشتہ بوسے ہی کی شکل میں ان سے آملتا ہے! اور پھر ایک وداعی آہ کے ساتھ اس شمع کا شعلہ ماتمی لباس اختیار کر لیتا ہے۔

آمادۂ سفر روح کے لبوں سے جس کی وفاداری دنیائے انسانیت کے لیے بہترین نمونہ ہے، آخرن ''آہ وداع'' سنتے ہی پری کہتی ہے۔

''آرام کر، آسودۂ خواب ہو جا اور دنیائے تعطر میں ہمیشہ کے لیے راحت گزیں رہ!''۔

ان الفاظ کی شکل میں اس پری نے فضا پر ایک علوی تنفس ساری کر دیا اور اپنے طرہ تابناک کی حرکت سے اس تاریک کنج کو روشن بنا دیا۔ جس میں یہ دونوں بے جان پڑے تھے۔ ان کے چہرے نورانی تھے اور ان کی روحیں مطمئن!

افق پر اب نمود صبح کا رنگ انفعال چڑھ جاتا ہے اور پری پاک جذبۂ محبت کی بے مثال قربانی کی یادگار یعنی اک بیش بہا ''آہ وداع'' لے کر آسمان کی جانب بلند ہو جاتی ہے۔ اس دفعہ غرور مسرت سے اس کا دل غیر معمولی طور پر متحرک ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اس سے بہتر تحفہ اور کوئی نہیں ہو سکتا! سے یقین ہے کہ یہ تحفہ خدا کے حضور مقبول ہوگا اور وہ بہشت میں داخل ہو جائے گی۔ مسرور و مفتخر پری، دروازۂ بہشت پر پہنچتی ہے اور ایک پر معنی تبسم کے ساتھ اپنا تحفہ رضوان کے سپرد کر دیتی ہے۔ مگر افسوس کہ اس کی یہ امید بھی یاس ہی ثابت ہوئی! منشائے قدرت اب بھی اس کی آرزو کے مخالف نظر آیا! رضوان نے اس کا یہ تحفہ لیا اور نیم وا دروازۂ جنت کو بند کر کے بولا! ابھی نہیں بے شک اس غم نصیب دوشیزہ اور بدقسمت نوجوان کا فسانہ دل گداز ہے اور وہ لڑکی بے شک وفادار تھی، مگر اے پری، دیکھ کہ حلقۂ بلورین اب بھی متحرک نہیں!

''پس وہ چیز جو تیرے لیے دروازۂ جناں کھول دے اس ''آہ'' سے بھی زیادہ مقدس ہونا چاہیے''

نواح شام کے وسیع گلاب زاروں پر شام کو شفقی روشنی چھائی ہوئی ہے۔ لبنان کی بلندی پر قرص آفتاب، بصد شان دلربائی، اپنا تاج زرین نمایاں کر رہا ہے وہ لبنان جس کی چوٹیاں سرما میں یخ سے سفید ہو جاتی ہیں اور گرمی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فرحت ناک وادیوں میں بہار استراحت پذیر ہے اور کوئی اچھا خواب دیکھ کر پڑی مسکرا رہی ہے۔

اس آنکھ کے لیے جو جوسما میں معلق ہو کر اس طلسمی منظر کا تماشا کر رہی ہو، اس رنگینیٔ حیات کا نظارہ کس درجہ حسین اور دل فریب ہو سکتا ہے!

شاداب و رنگین باغات میں منور چشموں کے کنارے جہاں سروں کے کھیت دور تک چلے گئے ہیں، شکستہ معابد کی دیواروں پر بے شمار کبوتروں کے جھنڈ نظر آتے ہیں اور ان کے خوش رنگ اور بے تاب بازو سورج کی سنہری کرنوں میں اس طرح چمک رہے ہیں گویا وہ قوس قزح کے ٹکڑے ہیں، اس قوس قزح کے ٹکڑے پر صرف پرستان کے پاکیزہ آسمانوں پر ہی طلوع ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس بدنصیب پری کی افسردہ دلی کے لیے اس دلکش فضا میں بھی کوئی وجہ شگفتگی نظر نہیں آتی۔ اس کے بازو خستہ ہو چکے ہیں، اور وہ آفتاب کی حالت غروب کو بغور دیکھ رہی ہے۔ تیرگی آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے جس میں ویران معبدوں کے بلند ستونوں کا سایہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا زمانے سے اپنی رفتار عمر بتانے کے لیے سوئیاں قائم کر دی ہیں!

لیکن کیا اس شکستہ ایوان خاوری میں کوئی طلسمی جوہر، کوئی حرز سلیمان ایسا مل سکتا ہے جو اس پری کی آنکھوں کو روشن کر دے، اور اسے معلوم ہو جائے کہ آفتاب و ماہتاب کے محور میں، سمندروں اور خشکیوں کے تہہ خانوں میں وہ نایاب شے کہاں پنہاں ہے کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو سکے؟

پری نیچے اترنا چاہتی ہے، چشم آفتاب اسی درخشانی کے ساتھ نگراں ہے، ہنوز وہ سطح زمین تک نہیں پہنچی تھی کہ اس نے دیکھا کہ لعلبک کی وادی میں وسیع فرش گل پر ایک کم عمر بچہ، ایک نیلمی لباس والی دوشیزۂ پران، نقاشی فطرت کی اختراع جمیل، یعنی ایک تیتری کے تعاقب میں دوڑ رہا ہے، جو ایک یاسمینی کنج کے اندر رقصاں ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک پھول ہے جس کے پر لگے گئے ہیں، یا کوئی نگینہ ہے جس کے اندر رقص سرایت کر گیا ہے! وہ بچہ جب اس شغل سے تھک جاتا ہے تو اپنے خوبصورت اور ننھے سے جسم کو پھولوں پر گرا دیتا ہے اور اپنے چہرے کے لیے پھولوں کا ایک نشیمن بنالیتا ہے۔

ٹھیک اسی حالت میں ایک شخص جو نہایت ماندہ و مضمحل نظر آ رہا ہے اپنے گھوڑے سے اترتا ہے اور بے تابانہ اس ویران عمارت کے دامن میں بہنے والے چشمہ کے کنارے پہنچ کر پانی پینے لگتا ہے اور جب پانی پی چکتا ہے تو اس حسین بچہ کو دیکھتا ہے۔ پری بھی اس مسافر پر ایک نظر ڈالتی ہے اور اس کے درشت خط و خال میں وہ تمام تاریکیاں دیکھتی ہے جو کسی بدترین فطرت انسانی میں پائی جاسکتی ہے۔ اس کی آنکھیں ظلم و بے رحمی کا مسکن نظر آ رہی ہیں، عورتوں کی عصمت دری اور مقدس جذبات مذہبی کی توہین و تذلیل اس کے بشرے کی نمایاں خصوصیت معلوم ہوتی ہے، بے وفائی اور بدعہدی اس کی پیشانی پر جدا جدا لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن اس وقت یہ پیکر معصیت و مجسمہ گناہ بھی ایک سکون و اطمینان کی حالت میں فرش زمین پر پڑا ہوا اس طفل گلستاں کے کھیل کا تماشہ دیکھ رہا ہے، گویا شام کی ٹھنڈی فضا نے اس کے دل میں بھی کچھ نرمی پیدا کر دی ہے! بایں ہمہ جب اس کی بھیانک آنکھیں اس بچے کی معصوم و مسرت ناک نگاہوں سے مقابل ہو جاتی ہیں تو محسوس ہونے لگتا ہے کہ دو مشعلیں ہیں جو تمام رات ناپاک و خبیثانہ افعال کے لیے روشن رہی ہیں۔

کرۂ درخشاں کے تدریجی غروب کے ساتھ ہی دمشق کے بے شمار میناروں پر

سے اذان کی آوازیں بلند ہوتی ہیں، اور بچہ اس پیغام صلوٰۃ کو سنتے ہی پھولوں کے تکیے سے اپنا سر اٹھاتا اور کھڑا ہو کر اپنی پیشانی کو مغرب کی زمین پر دکھ دیتا ہے اور اس کے ہونٹ ایزد ذوالجلال کے نام کی تکرار میں متحرک نظر آتے ہیں۔

اس معصوم بچے کا یہ شغل عبودیت کا ایک نظارہ تھا جو صرف جنتیوں ہی میں دیکھا جا سکتا ہے اور اگر اس منظر سکون و راحت کو ابلیس لعین بھی دیکھ لیتا، تو اپنے گم کردہ سکون پر ایک آہ تاسف کئے بغیر نہ رہ سکتا، یہی باعث تھا کہ یہ مسافر بھی اس منظر تقدیس کو دیکھ کر اپنے آنسو نہ روک سکا اور عمر گذشتہ کے تمام افعال شنیعہ، حافظہ نے اس کے سامنے پیش کر دیئے۔ اس نے باوجود سعی و جستجو کے اپنی گذشتہ زندگی کے تاریک طوفان میں ایک لمحہ سکون نہ پایا۔ اس کے جذبہ انفعال و تاسف نے اظہار تاثر کا ذریعہ صرف آنسوؤں کو بنالیا۔ نہایت رقت قلب کے ساتھ عجز و فتادگی کے لہجہ میں اس نے کہا۔

''ایک وقت مجھ پر بھی ایسا گزر گیا ہے، میں بھی تیری ہی طرح معصوم تھا اور تیری ہی طرح میں بھی اپنے معبود کے سامنے سجدے میں گر جایا کرتا تھا۔''

شرافت اور انسانیت، امید و رجا کے جو جذبات ایک زمانے سے اس کے اندر نیم مردہ حالت میں تھے دفعتاً بیدار ہو جاتے ہیں! جوش گریہ سے اس کی آواز بلند ہو جاتی ہے وہ روتا اور آنسوؤں کا ایک طوفان جاری کر دیتا ہے۔ جو آنسو عمق دل سے ندامت گناہ میں نکلتے ہیں بے شبہ مقبول ہوتے ہیں۔ ایسی ہی قابل قبول اور عفو طلب اشکوں کی روانی میں ایک معصوم طمانیت کا اولین احساس ہونے لگتا ہے اور یہ احساس ایک گنہگار ہی کو ہو سکتا ہے!

پری نے اس شخص کو اشک فشاں دیکھ کر کہا۔

''یہی وہ قطرہ ہے جو ماہتاب سے ٹپکتا ہے اور وادی نیل کے طوفان وبا کو دفعتاً معدوم کر دیتا ہے، نہ صرف یہ بلکہ یہ وہ قطرۂ انفعال و ندامت ہے جو انسان کی

اندرونی وبائے معصیت کو یکسر کالعدم کر کے اسے پاک و مقدس ہستیوں میں شامل کر دیتا ہے!''

پری اب اس مسافر اور طفل معصوم کو پہلو بہ پہلو مصروف عبادت گزاری دیکھتی اور محسوس کرتی ہے کہ سورج کی ایک بچھڑی ہوئی کرن گنہگار و معصوم دونوں کے سروں پر یکساں تڑپ رہی ہے، وہ آسمان پر حمد و صلوۃ کا غل سنتی ہے کہ ایک خطا کار کی توبہ قبول ہوتی ہے، ایک گنہگار تو نجات مل رہی ہے۔

آفتاب کی آخری ضیائے زرین بھی غائب ہوگئی اور اس کی جگہ ایسی روشنی نمودار ہوگئی جس کی مثال کبھی کسی ستارے کی ضیا بھی مہیا نہیں کر سکتی۔ اس نور سماوی میں اس شخص کے افسردہ رخساروں پر آنسو اس طرح چمکتے ہیں جیسے دن بھر کے مرجھائے گلاب پر شبنم کے قطرے! انسانی نگاہیں ممکن ہے کہ اس روشنی کو شہابی ضیا سے تعبیر کریں لیکن پری جس پر وجد کی کیفیت طاری ہے خوب جانتی ہے کہ وہ روشنی فرشتوں کو تبسم تھا جو انسانی ندامت و توبہ کے مقبول ہونے پر ان کی مسرت کا ثبوت ہوتا ہے۔ پیکر تلاش، پری، اپنی مسرت کو ضبط نہ کر سکتی تھی، اس لیے وہ جوش میں آ کر پکار اٹھی۔

''میرا مقصد حاصل ہو گیا، اب میرے لیے مسرت ہی مسرت ہے۔ میں اب داخل ارم ہو سکوں گی اور اس کا دروزہ اب میرے لیے بند نہ رہے گا! الوداع! اے پرمژدہ ہونے والے پھولوں! جو میرے فردوسی ہاروں میں صرف چند لمحات کے لیے متبسم ہوا کرتے تھے، الوداع! کہ اب میرا حصہ تو وہ طوبیٰ ہے جو تخت الٰہی کے سایہ میں نشوونما پا رہا ہے۔ اور جس کے پھولوں کی ہر پنکھڑی سے حیات تازہ کی لہک بلند ہوتی ہے! میرا مقصد حاصل ہو گیا، اب میرے لیے مسرت ہی مسرت ہے۔ اب میں داخل جناں ہو سکوں گی اور اس کا دروازہ میرے لیے بند نہ رہے گا۔''

جب یہ مثنوی ختم ہوئی تو ناظر اعظم فضل الدین نے کہا:

''کیا اسی کا نام شاعری ہے؟ کیا اسی کمزور اور پست تخیل کو شاعری کہتے ہیں؟ اس قسم کی مجہول اور سست بحریں، جن میں یہ مثنوی لکھی گئی ہے یکسر متروک و مردود ہونا چاہئیں۔ کیونکہ موجودہ شاعری کا حشرات الارض کی طرح نشوونما پانا خطرناک ہے''۔

فضل الدین نے یہ دیکھ کر کہ اہل مجلس پر نیند کا غلبہ شروع ہو گیا ہے کسی قدر آواز کو بلند کر دیا اور بولا۔

''جو لوگ اپنی وقعت قائم کرنے کے لیے خود تدابیر وضع کرتے ہیں اور جن اختیارات کا وہ اپنے تئیں بزعم خود حامل باور کر لیتے اور ان کا نفاذ بھی چاہتے ہیں، ان کی مثال اس نوجوانہ وحشی رقاصہ کی ہے جو محفل شاہی میں رقص تو کرتی ہے مگر فن رقص سے مطلقاً واقف نہیں ہوتی اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کے متناسب و خوش وضع لباس و پیشواز کے اندر اس کے اعضا مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں! اور چونکہ تنقید صحیح کے معیار پر اس پری کا فسانہ جو ابھی بیان کی گیا ہے پورا نہیں اترتا اس لیے بہ غور سنے جانے کا مستحق بھی نہ تھا! تاہم زمین سے آسمان تک بار بار تگ و دو کرنے سے جو تحفے اس نے حاصل کیے یعنی ایک قطرۂ خون، ایک آہ اور ایک آنسو! وہ ایک طفلانہ حرکت نہیں تھی تو کیا تھا؟

تعجب ہوتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ قطرۂ خون رضوان کے نورانی ہاتھوں میں کیونکر دیا گیا اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آہ اور آنسو کیونکر لے جائے جا سکتے ہیں؟ الغرض کسی ایسی پری کا وجود اور اس شاعر کی ہستی، جس نے یہ مثنوی لکھی، دونوں بعید الفہم ہستیاں ہیں مختصر یہ کہ اس قسم کی ناقابل اصلاح مزخرفات پر بحث کرنا بھی تضیع اوقات ہے!''

لالہ رخ نے اس نقاد کی سخت نکتہ چینی کو نرم کرنے کی کوشش کی اور بولی:

شعرا کا طبقہ بہت زیادہ رقیق القلب اور حساس ہوتا ہے ان کے کلام و تخیل کی شیرنی و خوبی کو اس قدر شدید تنقید سے ضائع نہ کر دینا چاہیے کیونکہ یہ طبقہ کنار گنگ پر پیدا ہونے والی گھاس (خس) نہیں ہے، جسے کوٹ پیس کر اس کی خوشبو کو اس سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔

اس انداز بحث نے بھی فضل الدین کے کشیدہ ابرو کی کجی کو دور نہ کیا اور اس کا سبب یہ ہے کہ رواداری فضل الدین کی کمزوریوں میں داخل ہی نہ تھی وہ مذہب اور ادبیات میں ایک ہی نقطے پر پہنچ کر بحث کرتا تھا اور گو وہ ان دونوں موضوع کی خوبیوں اور نزاکتوں کے سمجھنے سے عاری تھا مگر ان کی مخالفت کرنے میں استاد کامل کا درجہ رکھتا تھا۔ بہر حال ان مباحث کے متعلق اس کا جوش و شوق مبالغے کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔

صبح ہوتے ہی کارواں روانہ ہوا اور لاہور پہنچ گیا، جہاں بے شمار یادگاریں اور مقابر، خانقاہیں اور مساجد اس امر کو ظاہر کرتی ہیں کہ موت کا عالم بھی ایک عالم مسرت ہے۔ لالہ رخ کا متخیلہ بھی اس منظر سے بھی بہت متاثر ہوتا اگر اس کے دل پر دوسرے محسوسات کا قبضہ پہلے سے نہ ہو چکا ہوتا۔

یہاں پہنچ کر شاہ بخارا کا قاصد شاہزادی کے حضور پیش کیا گیا، جس نے عرض کیا کہ بادشاہ خود وادی کشمیر میں رونق افروز اور شاہزادی کی پذیرائی کا انتظام کر رہا ہے۔ اس پیغام نے جو ایک عروس کے دل کو صرف محبت و مسرت کے تخیل سے لبریز کر سکتا تھا، لالہ رخ کی رگوں میں حرارت خون کو برف کی سلاخوں سے بدل دیا! اسے یقین ہو گیا کہ اس کا آرام دل ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا ہے، کیونکہ اسے فرامرز سے محبت ہو گئی تھی۔ اور باوجود کوشش کے بھی وہ اس جذبے کو اپنے دل سے نکال نہ سکتی تھی۔

نہیں کہا جا سکتا کہ اس موقع پر فرامرز کے دل کی کیا حالت تھی؟ اگر درحقیقت

وہی انجذاب مہلک جو لالہ رخ کے دل پر حاوی تھا، اس کے دل کو بھی مسحور کر چکا تھا تو کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ فرامرز کس کلفت و غم میں مبتلا تھا؟

لالہ رخ اپنے تئیں اس آفت سے بچانے کی صرف یہی تدبیر سوچ سکی کہ فرامرز اب اس کے حضور میں پیش نہ کیا جائے۔ وہ سمجھتی تھی کہ ہر چند وہ دل جو وہ شاہ بخارا کو پیش کرنے والی ہے افسردہ شکستہ تو ضرور ہو گا، لیکن اس کو وہ کم از کم معصوم ضرور رکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ اس پر آمادہ ہو گئی کہ محبت کے خواب کو دل سے یک سر محو کر دے۔

لاہور میں عروس شاہی کی آمد کا جشن نہایت اہتمام و شوق کے ساتھ منایا گیا، اور جب لالہ رخ لاہور سے روانہ ہوئی تو شہر پناہ کے دروازے تک دولت اور شرفائے شہر کے کم عمر لڑکے اور لڑکیاں خوب صورت لباسوں میں دو رویہ صف بستہ تھیں؛ ان کے سروں پر سنہرے طشتوں میں چاند اور سونے کے کٹے ہوئے پھول تھے اور جس گروہ کے پاس سے لالہ رخ کا محافہ گزرتا تھا، ان کی گردنوں کو جنبش ہوتی، طشت حرکت میں آ جاتے اور سنہرے اور روپہلے پھول نچھاور کیے جاتے تھے، جنھیں لوگ چن لیتے تھے۔ چند روز تک قافلہ مسلسل منزلیں کرتا ہوا چلا گیا۔ مگر تمام اہل قافلہ کے دلوں سے مسرت مفقود تھی، اور ایک اداسی سی چھائی ہوئی تھی۔ لالہ رخ نے نوجوان فرامرز کو اپنے حضور سے دور رکھنے کے لیے اپنی ناسازی مزاج کا حیلہ وضع کیا، لیکن اسے جلد محسوس ہو گیا کہ یہ بہانہ غیر ضروری تھا۔

ایک دن شام کے وقت لالہ رخ تازہ ہوا کی غرض سے ایک عربی النسل گھوڑے پر سوار ہو کر درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب سے گزر رہی تھی کہ اس کے کانوں میں بانسری کی صدا آئی۔ اور دوسرے لمحے میں گانے کی آواز سنائی دی۔ وہ اس آواز کو بہ خوبی پہچانتی تھی! وہ وہاں ٹھہر گئی اور اس سحر طراز نغمے کو سننے لگی۔

''اگر دوسرے عالم میں محبت کی صداقت و مسرت موجود نہیں تو میرے سامنے

اس عالم کا ذکر نہ کرو۔ حوروں کی خوش چشمی اگر مجھ پر اثر نہیں ڈال سکتی، اگر دنیا کی بعض قاتل آنکھوں کی طرح زخم پیدا نہ یں کر سکتی تو اس کا بیان میرے سامنے نہ کر۔ وہ جو اس دنیا میں محبت کا صحیح احساس رکھتا ہے، بے وفائی اور الم آگینی کو جان لینے کے باوجود بھی فضائے بہشت کے لیے اپنے اس لذیز خواب کو خطرہ میں نہ ڈالے گا۔ وہ جو صحرا کی شدت حرارت میں پانی کو خاک میں تبدیل ہوتا ہوا دیکھتا ہے، چشمہ سراب کی جستجو پر اپنے تشنہ کام مر جانے کو ترجیح دے گا۔"

یہ الفاظ تیر بن کر لالہ رخ کے دل میں اتر گئے اور جب وہ حسرت و تاسف کے جذبات سے لبریز واپس ہوئی تو اس نے اپنے تئیں اس تاسف انگیز مگر شیریں حقیقت کے احساس پر مجبور پایا کہ فرامرز کا دل بھی اتنا ہی نشۂ محبت سے سرشار و پامال غم ہو چکا ہے۔ جس قدر خود اس کا۔

دوسرے دن شام کو جہاں قیام ہوا وہ لاہور سے روانگی کے بعد پہلی راحت آفریں جگہ تھی! کمپ کے ایک جانب بڑے بڑے درختوں کا جھنڈ تھا اور دوسری طرف شہتوت کے جھنڈ تھے۔ سبزہ زار کے وسط میں شاہزادی کا خیمہ نصب تھا۔ اور سامنے پاکیزہ و مصفا پانی کا ایک تالاب تھا، جس کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے درخت لگے ہوئے تھے۔ سطح آب پر سرخ کنول کے صدہا پھول تیر رہے تھے، دوسرے جانب کچھ فاصلے پر ایک عجیب وضع کا ہیبت ناک منظر پیش کرنے والا گنبد تھا۔ جو اپنی کہنگی کے باعث کسی ایسے مذہب کا معبد معلوم ہوتا تھا جو اب زندہ نہ تھا، یہ معبد ویران اس پرسکون و دلکش مقام کے مقابلے میں اپنی بے کسی و بربادی کی زبان حال بنا ہوا تھا۔ اس غیر معروف وضع کی شکستہ تعمیر نے ہر شخص کو حیرت میں ڈال دیا اور بجائے خود ہر شخص قیاس آرائی میں مصروف ہو گیا۔ لالہ رخ نے بھی غور کیا مگر بے نتیجہ کسی خاتون نے کہا کہ شاید فرامرز اس عمارت کے حال بے باخبر ہو، کیونکہ یہ مفارقت اس کے وطن سے قریب تر ہے، اور ممکن ہے کہ وہ کچھ

بتا سکے چنانچہ فرامرز طلب کیا گیا جس نے اس عمارت کی حقیقت اس طرح ظاہر کی۔

''یہ ایک قدیم آتش کدے کے قابل تعظیم آثار ہیں جسے کئی صدیوں قبل آتش پرستوں نے بنایا تھا اس کے متعلق مجھے ایک افسانہ یاد ہے اور اگر وقت زیادہ نہیں گزر گیا ہے تو یہ فسانہ سنانے کے لیے میں بخوشی تیار ہوں بشرطیکہ شاہزادی قبول فرمائیں''۔

شاہزادی نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور شاعر نے ''پرستاران آتش'' کے فسانہ کی یوں ابتدا کی۔

آتش پرستاران فارس

خلیج عمان کے گوہر آفریں ساحل اور اس کے نخلستانی جزیرے چاندنی کی لطیف و نازک چادر میں لپٹے ہوئے سو رہے ہیں، چاند نے اپنے شباب کی لطافت سے تمام موجودات کو غرق تنویر کر رکھا ہے، اور فطرت اس دریائے نور میں نہا نہا کر نکھر رہی ہے۔

ہر چیز ساکت ہے اور ہر منظر خاموش! ہوا ساکن ہے اور پانی کی طرح خشکی بھی آثار حیات سے محروم۔ غیر منتظم وقفوں کے بعد اگر ہوا کو ایک غیر محسوس جنبش ہوتی بھی ہے تو اس احتیاط کے ساتھ کہ درختوں کی پتیوں اور امواج آب کی نیند میں خلل نہ آئے۔ سمندر کا ٹھہرا ہوا پانی اور اس پر چاند کی شفاف روشنی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موتیوں کو سنہری شراب میں حل کر کے فرش مرمریں پر پھیلا دیا گیا ہے۔ اس سکون شیریں میں ہر چیز خوابیدہ ہے اور چشم انجم کے سوا اس وسعت تنویر کو دیکھنے والا کوئی اور نہیں ہے۔

شہر ہرمزیہ کی آبادی اور امیر کے محلات میں، جہاں کچھ دیر قبل عشرت ہنگامہ آرا تھی، اس وقت یکسر خاموشی تھی اور الحسن العربی اپنی اکلوتی لڑکی کے ساتھ جس کا انس عدم المثال نہیں تو عجیب و غریب ضرور تھا، سو رہا تھا! اس حکمران نے اپنی نور نظر کے راحت و آرام کے لیے قصر و ایوان شاہی کی تعمیر و آراستگی میں وہ سب کچھ اہتمام پیش نظر رکھا جو اس کی امارت و محبت اور اس کی محبوب بیٹی کے حسن دلکش کے لیے موزوں و مناسب ہو سکتا تھا! فن تعمیر کے ماہر اور صناعی و نقاشی کے بہترین استاد جہاں کہیں بھی تھے بلائے گئے تھے کہ اس کی محبت و شفقت کی ایک مادی مثال قائم کر دیں۔ غرض فراوانی دولت اور ترقی علم و فن کی متفقہ کوششیں جو نتیجہ پیدا کر سکتی ہیں وہ اس قصر کی شکل میں ظاہر تھا اور صرف اس جذبہ محبت ہی کے ماتحت نہیں کہ اس یہ گوہر مکنون اپنے حجلہ جمال میں محفوظ رہے، بلکہ آشوب زمانہ کے خیال سے

بھی کوہ ارارات کی بلند چوٹی پر جو ہر سمت دشوار گزار چٹانوں اور عمیق غاروں سے محصور تھی، یہ قصر حسین تعمیر ہوا تھا۔

ہر چند یہاں کے باشندے ملک کی خشکی اور غیر شادابی کی وجہ سے ایک کرخت و ناملائم نسل کہے جاتے ہیں، لیکن اس سرزمین حسن و عشق کے افسانہ ہائے محبت اس کلئے کی تکذیب کے لیے کافی سے بہت زیادہ ہیں۔ علی الخصوص ہندہ جیسی پری تمثال اور زہرہ جبین دوشیزہ کا فسانہ، جس کا حسن و جمال گویا ایک چشمہ تھا جو اپنے خشک کوہستانی منبع کو سدا بہار چمن بنا دینے والا اور نہ صرف عربستان بلکہ تمام دنیا کی تاریخ معاشقہ میں بہترین رومان بننے کے لیے رونما ہوا تھا!

وینس کی ہستی اگر ایک قوم کی عقیدت مندیوں کا نتیجہ تھی۔ سائکی کا وجود اگر شعرا کی خیال آفرینیوں کا ماحصل تھا تو ہندہ ساری کائنات کے لیے وجہ پرستش تھی کہ اس جلووں کی دنیا قوس قزح کی رنگینیوں سے معمور تھی، اس کے تنفس کی فضا پھولوں کی نکہت سے بسی ہوئی تھی، اس کی حرکات میں موجوں کا لوچ شامل تھا، اس کا جسم خوبانیوں کے گداز اور سیبوں کی شیرینی سے مملو تھا اور اس کے پیکر میں حوروں کی لطافت آسودہ تھی!

حسن کی پرستش ہمیشہ ہوا کی ہے، قلم و دماغ سے پیدا ہونے والے بہترین موتیوں کے ہدائے نیایش، معابد حسن و جمال پر ہمیشہ چڑھائے جاتے رہتے ہیں، کیونکہ حسن جہاں اور جس حالت میں بھی ہو، ایک دل سے (جو پتھر نہیں بلکہ دل ہے) ہدیۂ نیاز کا متمنی ہوتا ہے۔ پھر کون ہے جو اس تمنا کی پذیرائی میں ایک لمحہ بھی تامل کرے؟ اور کب ایسا ہوا ہے کہ جذبات نیاز کا ہدیہ آسمان ناز تک نہ پہونچا ہو؟ لیکن ہو غزلیں جو بے حجاب حسن کی مدح سرائی میں کہی گئی ہوں، وہ قصیدے جو حسن عریاں کے مندر پر گائے گئے ہوں اس مجسمہ عفت و نزاکت کے حسن و لطافت کو کیونکر سراہ سکتے ہیں، جو عالم کی نظروں سے مستور رہ کر ایک مخصوص فضا کو

اپنے جلووں سے منور اور تابش جمال سے معمور کرتا رہتا ہے؟

وہ پھول جو عمق بحر میں (جہاں آفتاب کی شعاعیں بھی نہیں پہنچ سکتیں، انسان کی نگاہوں سے مخفی رہ کر شگفتہ ہوتا ہے، ہندہ کی عصمت جمال سے جو ایک مقدس راز کی طرح محفوظ تھا، کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا! اور جس طرح اس شخص کی خوشی و مسرت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا جو دفعتہً اپنے تئیں پرستان کی حدود میں پائے اور جس کا سونا جاگنا وہاں کی نسیم نزہت آگیں پر منحصر ہو، اسی طرح کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اس ہستی کی خوش طالعی کا جس کے مبارک ہاتھ اس نقاب کو کھولیں گے جس میں ہندہ کا جمال مستور رہو؟

ہر چند کہ نہایت حسین ہوتی ہیں یمن کی کنواریاں جب وہ نقاب ڈال کر شام گرما میں اپنے شبستاں ناز سے وادیوں کی سیر کو نکلتی ہیں اور جن کے حسن کی چھوٹ سے ان کے نقاب گلرنگ نظر آنے لگتے ہیں اور بہت دلفریب ہیں وہاں کی کنواری لڑکیاں جو چنبیلی کی ان سفید و نازک پھولوں کی طرح جنھیں وہ پہنتی ہیں، خود بھی حسین و نازک ہوتی ہیں اور جن کا حجلہ ہائے عیش میں آئینوں کے سامنے صرف خود بینی رہنا ہر لحظہ فروغ جمال کا باعث ہوتا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ عرب کی عشرت سراؤں میں اس وقت تک کوئی کنواری یا کنواری لڑکی ایسی متبسم نہیں ہوئی جس کے پندار حسن کو حسن کی بہار سامان دوشیزہ کے جلوۂ بے پناہ نے توڑ نہ دیا ہو۔

ہندہ نسوانی خصوصیات حسن و جمال کا مکمل ترین نمونہ ہونے کے ساتھ ہی اپنے حسن میں ایک الوہیت بھی رکھتی تھی اور جس طرح زمرد کی شعاعیں سانپ کی بصارت کو زائل کر دیتی ہیں اسی طرح اس کی آنکھوں نکالنے والی معصوم نگاہیں بھی ایک بدنظر انسان کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی تھیں اس لیے کہ اس کی ہر دنیاوی حس اور جذبے میں ایک آلہانہ شعلے کی تاب نمایاں ہوا کرتی تھی۔ اور جس طرح چاند کی روشنی، درخت کی پتیوں سے چھن چھن کر باوجود یک گونہ تاریک ہونے

کے تمام روشنیوں میں دلکش نظر آتی ہے اسی طرح ہندہ کا حسن بھی سب سے نمایاں تھا اور دنیا والے ہندہ کو اگر انسان کہہ کر فخر کر سکتے تھے تو آسمان والے بھی اس میں نصف سے زیادہ ملکوتیت کے مدعی تھے!

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۲)

اس سکوت مطلق میں ہنؔدہ، اپنے قصر کے غرفے میں کھڑی اور اس کے گیسو شانوں پر منتشر ہیں! کیا وہ اس وقت چاندنی میں ہائے منظر کا لطف حاصل کرنے آئی ہے؟ کیا اس نظارے میں اس لیے اس درجہ کشش ہے کہ اس وقت جبکہ اسے بالش ناز پر محو خواب ہونا چاہیے بیدار ہو کر باہر آ گئی؟ نہیں اس کی چشم نمناک اور حرکت دل کی سرعت شاہد ہے کہ اس کے جذبات اس وقت کسی کشمکش میں ہیں دامن کوہ پر اس کی نظریں قائم ہیں اور اس کا رہ رہ کر مضطرب ہو جانا بتاتا ہے کہ وہ کسی کے انتظار میں ہے۔

حسؔن تو اس وقت محو خواب ہے اور بالکل بے خبر کہ جس کی راحت و آرام کے لیے تو نے ہر ممکن اہتمام کیا ہے، اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں، اس کا دل شوق و خوف کی کشاکش میں تباہ ہو جا رہا ہے! تجھے کون کہے کہ بلند ترین عمارات بھی پرواز محبت کے لیے سطح ہموار سے زیادہ نہیں؟ محبت کے لیے تو سریع الحصول غنائم میں کوئی دلکشی ہے ہی نہیں! اس کو تو وہی تحائف عزیز و محبوب ہوتے ہیں جو خطرات میں پڑ کر حاصل کیے گئے ہوں! موتیوں کے طلب میں سکون بحر کا انتظار مسلک عشق میں روا نہیں، اس کے غوطے کا وقت تو وہ ہے جب طوفان اپنی زندگی کی تمام طاقتیں صرف کر رہا ہو، پھر محبت ہی تو ہے جو اس جوش طوفان کی تہہ میں سے بہترین موتی حاصل کر لیتی ہے!

ہنؔدہ کا حسن و جمال وہ گل بیگانہ نہ تھا جس کی نکہت شامہ نوازی سے محروم ہو۔ ہر چند اس پھول کی رعنائی بلند مکان کی دیواروں اور دشوار گزار چٹانوں کی حفاظت میں مستور تھی، تاہم ایک ہستی تھی جو محض اسی کے لیے سراپا اضطراب تھی اور جس کی آنکھیں اس ناظورۂ عرب کے حسن شاداب کی پیاسی تھیں جس کے ہاتھ اس تک پہونچنے کی سعی میں چٹانوں سے زخمی ہو جانے کے لیے بے تاب تھے، اور جس

کے قدم ارارات کی بلندی پر چڑھنے کے لیے بے چین تھے!

خلیج کی ساکن سطح کی انتہائی حد سے ایک کمزور روشنی نظر آئی جو دامن کوہ کی سمت بڑھتی گئی اور قریب تر ہونے پر چپوؤں سے پیدا ہونے والی آواز بھی سنائی دینے لگی، ڈانڈوں کی آواز سے اندازہ ہوتا تھا کہ کھیلنے والا وقت کا کوئی لمحہ ضائع کرنا نہیں چاہتا، بلکہ کوشش کر رہا ہے کہ کشتی اپنی انتہائی رفتار سے بھی زیادہ تیز چلے۔ بہاؤ اس درجہ تیز تھا کہ کنارے لگنے پر کشتی پتھر سے ٹکرائی اور ایک غیر معمولی آواز پیدا ہوئی اس روشنی کے نظر آنے سے ہندہ کے چہرے پر شوق اور خوشی کے رنگ کا غازہ چڑھ چکا تھا، اس لیے کشتی کے ٹکرانے کی آواز سنتے ہی اس بازو کشادہ ہو گئے۔ گویا وہ آنے والے کو نیچے ہی سے اپنے آغوش میں اٹھا لینا چاہتی تھی رات کے سکون مطلق میں، اس عروس عرب نے جب اپنے مشکیں کاکلوں والے محبوب کو آتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل جو ابھی ابھی خوف و یاس سے پامال ہوا جا رہا تھا، افتخار و محبت سے بھر گیا ابھی اس نے نصف راستہ ہی طے کیا تھا کہ راستے دشواری کا احساس کر کے ہندہ نے اپنا سر جھکا دیا اور دیوانہ وار پکار اٹھی۔ ''حبیبی! میرے بال پکڑ کر چڑھ آؤ، آنے والا مشتاق ہیرو اس وقت شوق و شباب کے پر لگائے ہوئے اڑ رہا تھا! عربستان کی بکریاں اپنی سنگستانی چراہوں میں اتنی سبک جست نہیں کرتیں جس قدر سرعت کے ساتھ اس آنے والے نے یہ دشوار گزار راستہ طے کیا۔''

ظاہر ہے کہ ہندہ کو اس آنے والے کے ساتھ عشق تھا گرچہ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس کا محبوب کون ہے اور اس پر بھی وہ ناموس خاندانی اور قیود مذہبی کی طرف سے بے پروا ہو گئی تھی! جنت نشان ہندوستان کے کنجہائے باغ میں کبھی کبھی ایسی حسین و خوشرنگ چڑیا نظر آ جاتی ہے جس کا کوئی نام نہیں صرف خیال کر لیا جاتا ہے کہ وہ نسیم کے جھونکے کے ساتھ کسی ایسے جزیرے سے اڑ آئی ہے جہاں ہنوز انسانی

تلاش وجستجو کے قدم نہیں پہونچے، پھر یہ چڑیا دیکھنے والے کی نگاہوں کو ایک قلیل فرصت کے لیے مسحور کر کے جس طرح آئی تھی اسی طرح چلی جاتی ہے! ہندہ بھی اپنے تئیں کسی ایسے ہی کنج میں سمجھتی تھی اور اپنے عاشق کو کسی ایسی ہی چڑیا سے تعبیر کرتی تھی۔ یہ خیال کہ اس کا محبوب اس چڑیا کی طرح تو غائب نہ ہو جائے گا، اس کے لیے اذیت روح کا باعث ہوا کرتا تھا اور وہ ایک ارتعاش خفی کے ساتھ خدا نہ کرے! کہہ کر اس اندیشے کو رفع کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔

(۳)

اب سے ایک مہینہ قبل جب دنیا بہ اندازہ یک ماہ جوان تر تھی۔ یہی رات تھی اور یہی چاند کہ ایک غیر محسوس خیال تنہائی سے تنگ آ کر دہندہ نے اپنی پیش خدمتوں کو رخصت کر دیا تھا، کہ اس کا یہ احساس تنہائی غیر مکمل نہ رہے۔ یہ حالت اس پر اکثر طاری ہو جاتی تھی اور اس خیال سے کہ اس کی حالت کا راز نہ کھلے وہ تنہا رہنا پسند کرتی تھی۔ اس رات بھی وی اسی کیفیت سے متاثر تھی اور اپنی خلوت کو پر کرنے کے لیے اس نے اپنا قانون اٹھالیا تھا اور تارون کو یوں چھیڑنے کے ساتھ ساتھ کچھ گنگناتی بھی جاتی تھی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس شغل میں اس کا شوق نغمہ و موسیقی شامل تھا یا نہیں! کچھ ہی سمجھا جائے مگر حقیقت یہ ہے کہ موسیقی کا دیوتا اپنی نذر کے لیے ایسے ہی اچھوتے نغمے پسند کرتا ہے جن کا کوئی سننے والا نہ ہو اور عرض نغمہ کرنے والی ذات خود بھی بے توجہ ہو! اس وقت ہندہ بھی اپنے کومل اور رہ ہم سروں میں شاید یہی نامعلوم فرض ادا کر رہی تھی کہ چاند کی نرم اور ٹھنڈی روشنی اس کے حسیات شباب اور جذبات تنہائی کو گدگدا رہی تھی اور وہ تار و مضراب کے ذریعہ سے اس گدگدی کو دور کرنا چاہتی تھی۔ اس جادو اثر وقت سحر اور اس سحر آگین لمحے میں دفعتاً اس کی نظر اٹھی اور جھروکے میں سے کسی کو جھانکتا ہوا دیکھا یہ اس کے اس گم نام عاشق کا چہرہ تھا!

پہلا خیال جو ہندہ کے دماغ میں اس نظارے کے بعد آیا وہ یہ تھا کہ محل میں اس وقت انسان کا گزر تو محال ہے۔ اس لیے وہ شکل ضرور کسی آسمانی ہستی کی ہے جو اپنے ماہتابی سفر میں موسیقی سے متاثر ہو کر وہاں اتر آئی ہے اور پھر اس کے بعد یہ خیال اس کے دماغ سے کبھی نہ گیا۔

جب ہندہ کا خوف استعجاب کسی قدر رفع ہوا تو اس نے اپنے سامنے مردانہ حسن و شباب کی ایک تمثال کو سر تسلیم خم کئے ہوئے دیکھا ہندہ نے اس مداخلت بے جا کی

وجہ دریافت کی، لیکن وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا کہ وہ ایک سپاہی تھا، محل کے قریب سے گزر رہا تھا کہ ہندہ کا نغمہ و موسیقی اسے کھینچ لایا۔ ہندہ بجائے خود اس قدر محو شوق ہو چکی تھی کہ اس سے زیادہ دریافت کرنا اس کے اختیار سے باہر تھا۔

اگرچہ تبادلۂ الفاظ ہوتا رہا، لیکن ہندہ کے دل میں بار بار یہ خیال گزرتا تھا کہ یہ شخص انسان نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ اندیشہ مند تھی کہ آج اس کی روح کسی ایسی ہستی کے قبضہ و اقتدار میں چلی جا رہی ہے، جو کسی قصور کے پاداش میں فردوس سے جلا وطن کر دی گئی ہے! کاش اس وقت کوئی ہندہ کے کان میں اتنا کہہ سکتا کہ اے پیکر شوق و محبت غم نہ کھا اور اپنے لطف و مسرت کو اندیشے کی تلخی سے آزردہ نہ کر، تیرا عاشق نہ تو کوئی جن ہے اور نہ کوئی آوارہ وطن فرشتہ۔ وہ ابن آدم ہے جو تیری سادگی شباب کی پرستش کرتا ہے! اسی جوش و عقیدت کے ساتھ، جس استقلال و جرأت سے وہ اپنی تلوار اٹھاتا ہے! اس کا دل دنیا کے بہترین دلوں میں سے ایک ہے، جس کی حرارت کی لہریں دن کے دیوتا (آفتاب) کی ذی حیات شعاعوں کی طرح کام کرتی ہیں!

آج کی شب اس گمنام عاشق کا جوش شوق ایک قسم کی افسردگی سے مملو ہے۔ اس کے چہر پر خفیف سی زردی چھائی ہوئی ہے۔ اس سے قبل ہندہ نے اس کو اتنی پریشان حالت میں کبھی نہ دیکھا تھا اور اس غیر معمولی حالت کے باعث دونوں کچھ دیر تک خاموش رہتے ہیں۔

ہندہ نے اس خوف سے کہ کہیں حقیقت حال کا علم اس کی مسرتوں کو برباد نہ کر دے، اپنے خیالات بھلا دیئے، ہر چند کہ وہ اس وقت خود اپنی آواز سے خوف بھی کھا رہی ہے، تاہم کپکپاتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ ''دیکھتے ہو، چاند کی کرنوں کا تبسم کس درجہ شیریں ہے! میں اپنے تخیل کی بعض ساعتوں میں اکثر تمنا کرنے لگتی ہوں کہ اس سامنے والے چھوٹے سے جزیرے کے پر لگ جاتے اور ہم۔ صرف تم

اور میں اس کے اباغوں کی تنہا آبادی ہوتے اور کسی غیر معلوم سمندر کی سمت اڑ جاتے جہاں کسی نبض کو حرکت نہ ہوتی، مگر ہماری! اور جہاں ہم دونوں محبت کی زندگی بسر کر کے تنہا مر جاتے! جہاں ہم اس کلفت زار دنیا کی بے رحمیوں اور سرد مہریوں کی زد سے دور ہوتے، اور جہاں ہم کو کوئی نہ دیکھ سکتا، مگر فرشتوں کی معصوم آنکھیں! ہماری یہ نرالی جنت مکروہات عالم سے یکسر پاک ہوتی ہے! کیا تم ایسی زندگی کو پسند کرتے؟'' یہ کہہ کر وہ ایک شوخی تبسم کے ساتھ اس کی جانب مڑی، مگر اس کا یہ تبسم قائم نہ رہا اور اس کی اداسی کی کوئی انتہا نہ رہی، جب اس نے دیکھا کہ اس کے عاشق کی نگاہیں سخت متالم اور غمگین ہیں اور نشہ وخطرات سے دل تو پہلے ہی بھرا ہوا تھا اس حالت کو دیکھتے ہی ہنڈہ کی آنکھوں سے گرم گرم قطرات اشک جاری ہو گئے۔

''میں سمجھتی تھی'' ہنڈہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''یہ میرا ہر گھڑی کا خوف، میرے اندیشہ ناک خواب ضرور رنگ لائیں گے، میں سمجھتی تھی، جانتی تھی کہ اس حالت کو دوام نہیں ہو سکتا!'' اس عاشق بے نام ونشان نے مونہہ سے کوئی لفظ کہے بغیر، اپنا ہاتھ ہنڈہ کے شانے پر رکھ کر اسے تسلی دینا چاہی۔ مگر ہنڈہ کے جذبات میں اس سے اور ہیجان ہوا اور وہ جوش گریہ کے ساتھ کہتی رہی ''میں نے جب کبھی کسی پودے یا کسی پھول کو پیار کیا ہے، سب سے پہلے وہی کملایا ہے اور جب کسی ہرن کے بچے کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پرورش کیا ہے، سب سے پہلے قضا نے اسی کو اپنا نشانہ بنایا ہے، مگر آہ! میری محبوب ترین تمناؤں کی بربادی اس سے زیادہ المناک کبھی نہ ہوئی تھی جیسی آج نظر آتی ہے۔ میری موجودہ مسرتیں مجھے یقین ہے کہ نہ صرف میری گذشتہ شادمانیوں سے اعلیٰ ہیں بلکہ میں تو باور کئے ہوئے تھی کہ اگر جنت میں کوئی سرور مسرت انسان کو ملنے والا ہے تو وہ اس سے شیریں تر نہ ہو گا۔ میری تمنا تو صرف اتنی تھی کہ تمہیں ایک نظر دیکھ لیا کروں، اگر دیکھ نہ سکوں تو

تمہاری آواز ہی سن لیا کروں! کیا میرا یہ یقین کہ تم مجھ سے چھین لیے جاؤ گے'' اجنبی، ہندہ کا سر اپنے سینے سے لگالیتا ہے اور تھوڑی دیر بعد جب جوش گریہ کم ہوتا ہے تو ہندہ پھر اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگتی ہے ''مگر نہیں ہمارا جدا ہو جانا ہی بہتر ہے۔ ہماری یہ ملاقاتیں تباہی کی بنیادوں پر قائم ہیں، گو میں واقف ہوں کہ مجھ تک پہنچنے میں جان کا اندیشہ بھی تمہیں پیارا ہے، مگر خدا حافظ! میری بہترین خواہشیں تمہارے ساتھ ہیں! میں اپنی حالت یاس والم میں بھی اس خیال سے کہ تم مجھ سے دور ہو، مگر محفوظ و مطمئن ہو، خوش رہوں گی! آفتاب کی شعاعوں اور ماہتاب کی کرنوں کو دیکھتی رہوں گی کہ وہ اپنی حرارت و روشنی سے تمہاری راحت کا باعث ہوں گی، ہاں میں مفارقت میں اپنی جان دے دینا پسند کروں گی، لیکن تمہیں خطرے میں دیکھنا گوارا نہیں کرسکتی!''

''خطرہ! ہندہ کو اپنے آغوش میں تنگ تر لیتے ہوئے اس نے جواب دیا ''میری پیاری! مجھے ایسے الفاظ کہنے پر مجبور نہ کر جس میں افتخار وغرور کا شائبہ بھی پایا جائے، کیونکہ مجھے تو دیا میں اب سوائے تیری محبت کے حصول کے کسی چیز پر بھی فخر نہیں ہو سکتا۔ کاش تجھے علم ہوتا کہ تیرے جاں نثار نے جس خطرے ہی کی آغوش میں آنکھ کھولی ہے کیا کچھ نہیں کرسکتا اور کیا کچھ نہیں کر چکا ہے! جس شخص کے کانوں میں ہر لحظہ موت کی صدا آتی رہتی ہے اور جس کی تلوار بحالت خواب اس کا تکیہ رہتی ہے، اس کے لیے خوف و خطرا ایسے لفظ ہیں جو اپنے اندر کوئی معنی نہیں رکھتے اور مخصوص اس صورت میں جب کہ تیرا شیریں وجود اس خطرے کا باعث ہو! میری پیاری مجھ سے کہہ کہ تو کسی وجہ سے خوف زدہ نہیں ہے، مجھے اپنے پاس آنے سے منع نہ کر ہاں کہہ دے کہ ہم اسی طرح ایک دوسرے سے ملتے رہیں گے اور ہمیشہ ملتے رہیں گے! تیرے فراق کا خیال مجھے بزدل بنائے دیتا ہے!''

اس کے اس پر ملال اظہار جذبات نے، جس سے شجاعانہ غیرت ٹپک رہی تھی

جس کے باعث اس کے لہجے میں ایک غیر محسوس درشتی پیدا ہوگئی تھی اور جس کا احساس صرف اس کا لبریز شوق دل ہی کر سکتا تھا، ہندہ کو سہما دیا اور گو وہ سوائے ایک نگاہ مایوس و مستر حم ڈالنے کے کچھ نہ کہہ سکتی تھی تاہم وہ اپنی حالت سنبھالتی اور کہتی ہے ''مجھ سے خفا نہ ہو، اس نیلے آسمان کے سائے میں ہندہ کو کسی چیز سے خوف نہیں، مگر تمہاری ان آنکھوں سے، ان نگاہوں سے جو مجھے اس وقت ڈرا رہی ہیں! زمین کے پردے پر اگر میرے دل کو کوئی شے مسحور کر سکتی ہے، مجھے اس راستے سے بھٹکا سکتی ہے، اگر کوئی چیز میری روح کو اس کے پیمان غیر سے ہٹا سکتی ہے، تو وہ تمہاری ایک نگاہ ہے! مگر نہیں، میں پھر خود غرض ہوئی جاتی ہوں! میری قسمت تو مقرر ہو چکی ہے، میری تقدیر کا خوف ناک فیصلہ تو ہو چکا ہے اور اب قبر سے پہلے میں تم سے نہیں مل سکتی! لیکن آہ اس راز کو کون حل کر سکتا ہے کہ جن دو روحوں کو تقدیر ایک کر دے دنیا اس کے اتصال کو کیوں منع کرتی ہے؟''

اجنبی! اے عرب کے چاند! اگر چہ یہ اعتراف میرے لیے کتنا ہی روح فرسا کیوں نہ ہو، لیکن مجھے کہنا پڑتا ہے کہ ہم دونوں کے درمیان ایک نا قابل عبور خلیج حائل ہے، جس کو ہماری محبتوں کی صداقت بھی عبور نہیں کر سکتی! واقعہ یہ ہے کہ ہماری باہمی محبت فطرت کی سخت ترین ستم ظریفیوں میں سے ہے، کیونکہ قوم عرب سے میرے معاشری تعلقات اسی صورت میں قائم ہو سکتے ہیں جب کہ تاریکی و نور کی طاقتیں آپس میں متصل ہو جائیں تیرا باپ.....''

''پاک اللہ، اس ضعیف جان کی حفاظت کرے!'' ہندہ مضطربانہ طور پر اس کا قطع کلام کر کے اور یہ معلوم کر کے کہ اس کا عاشق، خود اس کے باپ کی فوج کا سپاہی نہیں ہے، کہتی ہے، تم اس سے واقف نہیں ہو، میں سمجھی۔ تم اس کی فوج کے سپاہی نہیں ہو، مگر وہ تو شجاعت کا شیدا ہے، اس وسیع آسمان کے نیچے میرے باپ سے زیادہ بہادر کی قدر کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اپنے بچپن کے زمانے

میں جب میں اس کے چمکیلے خنجر اور تلوار سے کھیلا کرتی تھی تو مجھے اس کا قسم کھا کر یہ کہنا یاد ہے کہ یہ لڑکی کسی بہادر سپاہی کی دلہن بنے گی۔! اب بھی جب کبھی میں اس کے لیے ٹھنڈا شربت اور خوشبو دار پھول لے کر جاتی ہوں تو کہا کرتا ہے کہ ناکتخدا لڑکیوں کا میدان جنگ میں محبت کرنا اور نعرہ ہائے نصرت و فتح مندی میں ان کا بیاہا جانا، بہترین عروسی ہے! میرے پیارے تم میرے والد کی فوج میں کیوں شامل نہیں ہو جاتے۔ تم دیکھتے ہو کہ ان ایرانیوں نے کیسا سر اٹھایا ہے۔'' ہندہ نگاہ اٹھاتی ہے تو اس کا چہرہ غصے سے تمتماتا ہوا دیکھ کر یہ سمجھتی ہے کہ اس کا یہ طیش و غیض ایرانیوں پر ہے جن کے متعلق خود ہندہ نے اپنی گفتگو میں اشارہ کیا تھا۔ وہ اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتی ہے، ''تم اس وقت ایک سچے اور بہادر سپاہی کی طرح غضب ناک ہو رہے ہو۔ بس تو صمجدم تم میرے باپ کی فوج میں شریک ہو جاؤ اور جب دشمنوں کے مقابلے کے لیے تلواریں بلند ہوں تو بھول نہ جانا کہ محبت کا دیوتا اور تمہاری ہندہ ان تلواروں کے سائے میں کانپ رہے ہوں گے اور جب تم ان پرستاران آتش ان بے دین گبروں پر، جن سے میرے والد کی دشمنی ہے فتح یاب ہو''۔

''بس ہندہ بس''۔ اس کی غیور طبیعت کے لیے عزت قومی کی توہین نا قابل برداشت تھی۔ ہر چند کہ وہ ہندہ کی ہر ہر ادا کا والہ و شیدا تھا۔ اور نہ چاہتا تھا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی وہ آزردہ ہو، مگر اس وقت اس کے جذبات حدود ضبط کو طے کر گئے اور وہ بے اختیارانہ دامن قبا کو کھولتے ہوئے کہنے لگا۔ ''تیرے الفاظ جو میرے لیے آب حیات کا اثر رکھتے ہیں اس وقت موت کی تلخی معلوم ہوتے ہیں۔ ہر چند تیرا ملال بھی میرے لیے جاں گداز ہے۔ مگر جن حالات کا علم تیرے لیے ناگزیر ہے وہ کیوں پردے میں رہیں؟ دیکھ اور افسوس کر کہ میں ایک گبر ہوں، جس قوم کا نام ہی تیرے باپ کے جذبات نفرت کو برانگیختہ کر دیتا ہے۔ میں اسی قوم کا ایک

فرد ہوں! اسی قوم مشرکین، اسی غلامان آتش میں سے ہوں جو صبح و مسا اپنے کردگار کے گھر میں آسمانوں کی روشنیوں کے سائے میں اس کی عبادت کرتے ہیں انھیں خانماں برباد ایرانیوں میں سے ہوں جو اپنے وطن مقدس کی ذلت کا انتقام لینے کے لیے زندہ ہیں! ہندہ شاہد رہ میرے حلف کی جو میں یزداں کی منور آنکھوں کے حضور اٹھاتا ہوں کہ یا تو میں ایران کو غاصبوں کی غلامی سے آزاد دیکھوں گا، یا موت کی آغوش میں سو جاؤں گا! تیرا باپ..... ہیں، تو کانپ رہی ہے، نہیں نہیں تو اطمینان رکھ کہ جو ہستی دنیا کو تیرے وجود کی روشنی اور رنگینی سے زینت دینے کا باعث ہو وہ میرے لیے اتنی ہی مقدس و قابل احترام ہے جس قدر کہ وہ پاک جگہ جہاں آگ کی پرستش کی جاتی ہے! آہ، وہ پہلی رات، جس رات میں اپنی کشتی پر اس محل کی طرف آیا تھا، میں نے جس شکار کی تلاش میں اس صعوبت راہ کو گوارا کیا تھا وہ حسن تھا! میں درخت پر اس لیے چڑھا تھا کہ باز کو اس کے گھونسلے ہی میں گرفتار کرلوں مگر میں نے وہاں ایک مرتعش فاختہ کو پایا اور اب تو میں خود ایک صید ہوں، ایک صید مجروح اور صحیح معنوں میں نصرت تیرا ہی حصہ ہے، ہندہ!''

یہ وقت ہے کہ دو دل جن کی حرکت ایک تھی، دو دماغ جن کی طاقت ایک تھی، جداگانہ احساسات و خیالات کا آماجگاہ بنے ہوئے ہیں ایک طرف ہندہ اس غیر متوقع انکشاف حقیقت سے ایک تصویر غم ایک پیکر تحیر بن گئی ہے۔ اس کے آنسو خشک ہو گئے ہیں۔ دوسری جانب ایرانی ہیرو ایک ہی وقت میں دو مختلف جذبات کا معمول ہے ہندہ کو اس نے اپنے آغوش میں لے لیا ہے اور جانتا ہے ہندہ کے دل کو کیا کچھ صدمہ نہ پہونچا ہوگا، لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ وہ کیا کرے۔ اس نے ہندہ کو اپنی آغوش تنگ میں کھینچ کر کہا ''ہندہ! کاش ہم ایک دوسرے سے کبھی نہ ملے ہوتے! یا کاش تو ایک ایرانی دوشیزہ ہوتی اور ہم دونوں انہیں وادیوں میں پھرا کرتے، انہیں کھیتوں میں ہمارے ایام طفلی بسر ہوتے، ایک ہی منور شعلہ

کے حضور ہم دونوں سجدہ ریز ہوا کرتے اور ہمارے بے شمار تعلقات کی وہ گرہیں، جن کے اندر وطن کی دلکشیاں پنہاں ہوتی ہیں، ہم دونوں کو باہم دگر وابستہ رکھتیں، یہاں تک کہ ایران کا اور تیرا صرف ایک مدعا ہوتا! میں تیری موسیقی کے نغموں میں گزری ہوئی ساعتوں کے ترانے سنتا، تیری تبسم ریز ماں مجھے عیش و عظمت گزشتہ کی یاد دلاتیں، اور فارس کی پامال روح تیرے وجود میں حیات گزیں ہوتی، آہ! اگر ایسا ہوتا تو وہ کون سی تلوار تھی جو نیام کے اندر رہ سکتی، اور کون تھا جو صمصام بے پناہ کے مقابلے میں آ سکتا، جس کی ہر ہر چمک پر ہزاروں فتح مندیاں قربان ہوا کرتیں؟ قسمت کی یہ ستم ظریفی دیدنی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے اس قدر علیحدہ، اس درجہ بعید ہیں کہ شاید قدرت اس سے زیادہ اجنبیت پیدا کر ہی نہ سکتی تھی تاہم محبت کی سخت ترین بندشوں نے ہمیں کتنا قریب کر دیا ہے۔ ہندہ اپنے محبوب کی تقریر سے کبھی تو شکار مایوسی ہوئی جا رہی اور کبھی امید کی ایک خفیف سی جھلک اس کے چہرے کو دمکا دیتی تھی، مگر اتنی مجال نہ تھی کہ خود بھی کچھ کہے۔ چنانچہ وہ کہتا رہا اور یہ سنتی رہی۔ ''اگر میں مذہب، وطن اور احباب سے روگردانی اختیار کروں، ان سے بے وفائی گوارا کروں، تو اپنی محبت کی صداقت قائم کر سکتا ہوں! تیرے باپ کو میرے وطن سے کینہ ہے، فطرتاً تجھے بھی اس ملک سے نفرت ہونا چاہیے۔ اس وقت بھی کوئی عجب نہیں کہ تیرا سینہ صاف اس کینے سے لبریز ہو، لیکن نہیں میرا خیال غلط ہے، نفرت و کینہ اتنے حسین ہو ہی نہیں سکتے! ناممکن کہ یہ پست و ذلیل جذبات تیرے دل میں جگہ پا سکیں! جو ہستی تیرے لیے ہر چیز کو بھلا دے سکتی ہے، فراموش کر دے سکتی ہے، اس کی خاطر اس کی محبت کے واسطے سے، اس کا وطن تجھے بھی اتنا ہی محبوب و مقدس ہونا چاہیے! دیکھ سامنے جو وسیع مرغزار ہیں اور ان میں جو آبادی نظر آ رہی ہے۔'' ہندہ کے بلورین شانے پر ہاتھ رکھ کر وہ اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتا ہے۔'' یہ سب اپنی زبان حال سے فرزندان وطن کے خون کی داستان بیان کر رہے

ہیں! آہ اس وقت بھی جب کہ ایران فدائیاں وطن کے خون، اس کی بیواؤں کی سوگواریوں اور اس کے یتیموں کی نالہ وزاریوں کے لیے دنیا کی آنکھیں خشک اور بے حس ہوں گی۔ اس وقت بھی وہاں ایک دل ہوگا جس کے اندر اس تباہی کا درد ہو گا، ایک آنکھ ہوگی جو اس بربادی پر آنسو بہائے گی! میری پیاری ہندہ! وہ دل تیرا دل ہوگا، اور وہ آنکھ تیری آنکھ ہوگی! ناممکن ہے کہ تجھے میرے وفور محبت کا احساس نہ ہو اور احساس تجھے جذبۂ ترحم سے لبریز نہ کردے!''

دفعتہً خلیج کی نیلگوں سطح پر ایک روشنی نظر آتی ہے، جس نے اسے کچھ مضطرب سا کر دیا روشنی کا یہ شعلہ کئی مرتبہ اٹھ اٹھ کر گم ہوا گویا وہ کسی طرح جھلملاتا ہوا چراغ تھا، یا ان ستاروں میں سے ایک تھا جو ہر شب تو آسمان سے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گرتے تھے، لیکن آج زمین سے آسمان کی طرف جا رہے ہیں۔ اس نے ہندہ سے روشنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ میری پیغام رساں روشنی ہے، مجھے اب جانا چاہیے میرے ایک لمحے کا مزید قیام ہم دونوں کی تباہی کا موجب ہو گا، خدا حافظ، میری شیرینی حیات، الوداع!''

ہندہ فرط شوق میں اس سے لپٹ جاتی ہے، وہ نہیں چاہتی کہ اس سے جدا ہو، مگر اجنبی کہتا ہے، ''اے ہندہ! میری روح! اس عارضی جنت کے لیے جو تیری معیت میں مجھے حاصل ہے، میں بہشت دوام سے بھی کچھ زیادہ عزیز چیز کی قربانی گوارا کرنے پر تیار ہوں، مگر افسوس کہ فرض وطن مجھے پکارتا ہے اور اس فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد میں تیری مرضی کا غلام ہوں!'' یہ کہتا ہوا ہندہ سے ہاتھ چھڑا کر چل دیتا ہے۔

وہ اس وقت گویا محبت سے بھاگ رہا ہے اور موت کی طرف بھاگ رہا! وہ چلا جاتا ہے اور ہندہ ششدر و حیران کھڑی رہ جاتی ہے، اس کے آنے سے، جس چہرے پر معلوم ہوتا تھا کہ خندۂ ماہتاب نے استقلال حاصل کر لیا ہے، اس وقت

ایسا نظر آ رہا تھا گویا دنیا بھر کی زردی اس صورت میں بھر دی گئی ہے۔ ہندہ کے اس طلسم سکوت و حیرت کو پتواروں کی آواز نے توڑا اور وہ ایک چیخ کے ساتھ غرفے کی جانب یہ کہتی ہوئی جھپٹی، ''میں بھی آتی ہوں، موت کی وادی میں میں بھی تیرے پہلو میں سوؤں گی اور موت کا سرد ہاتھ ہی ہمارے عقد کی گرہ باندھے گا! ہاں ہاں، امواج بحر کے سرد بستر سے، جس پر میرا محبوب استراحت گزیں ہو مجھے کسی بہتر بستر کی تمنا نہیں! ایک مشترک مرگ آبی دنیا کی مسرتوں سے کہیں زیادہ شیریں ہے، اس حالت سے کہ میں زندہ رہوں اور تنہا!''

آہ! مگر ان دونوں کی آرزوئے مرگ ابھی قبل از وقت تھی۔ ہندہ کشتی کو جاتے ہوئے دیر تک دیکھتی رہتی ہے اور آخر کار کشتی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی اور ہندہ مایوس و مضطرب اپنے بستر پر جا پڑتی ہے۔

آفرینش بیدار ہوئی اور صبح نے ایک دلفریب انگڑائی کے ساتھ آنکھیں کھول دیں۔ سہانی صبح کی زردی مائل روشنی نے نیلگوں سمندر پر متبسم ہو کر بحرین کے نخلستان اور عنبر بیز تا کستانوں کو نمایاں کر دیا۔ بحیرہ عرب کے ساحل فصل تاک کی تازہ خوشبو سے بسے ہوئے ہیں۔ اور بحر ہند کی ہوائیں چکر لگا لگا کر پانی کی موجوں کو بلند کر رہی ہیں۔

افق مشرق سے آفتاب نے اپنے شعلہ رنگ شہپروں کو جنبش دی اس وقت سے کہ آسمانوں نے اپنا سفر شروع کیا اس وقت سے کہ فرشتہ تجلی (خورشید جہان تاب) نے سب سے پہلے اپنے خالق کے آتشیں نقوش قدم پر گام فرسائی اختیار کی، یہ وقت اس کے لیے کبھی نہیں آیا! آج یہ کرہ آتش، اپنی تمام عظمت آفرینی کے ساتھ وقت نہیں پاتا جبکہ ایران کے ہر ہر ذرے کی آنکھیں اس کے تابناک چہرے پر جمی ہوئی اپنی پرستش پیش کیا کرتی تھیں، وہ آج اس زمانے کو ڈھونڈتا ہے جبکہ ہند میر کے کناروں سے لے کر سمرقند کے کنجہائے باغ تک ملک کا ہر گرشہ آتش کدوں سے آباد تھا اور بلند ہونے والے شعلوں کی شکل میں عبادت گزاروں کے جذبات نیاز آگیں اس تک پہنچتے تھے۔

اے یکسر شعلہ نظر! کون ہے جو تجھے بتا سکے کہ تیرے پرستار کیا ہوئے؟ کون ہے جو تجھے پتہ دے سکے کہ تیری پرستش گاہوں کہاں گئیں؟ ہاں، کنڈیسیا کے خون آلود میدان، اور ان آتشکدوں کے برباد شدہ آثار ضرور اس داستان الم کو دہرا سکیں گے کہ بیدرد دشمن نے ایران کے پامال تاج کے جواہر کس طرح توڑے اور فارس کے مذہب کو کس طرح اس نے سرد کیا، یا پھر وہ خانماں برباد کچھ بتا سکیں گے جو بحر قزوین کے محفوظ پھاٹکوں سے نکل کر کسی اجنبی سمندر کے کناروں پر کوہ موسین کے دامنوں میں پناہ گزین ہیں!

ایران کی عزت ملّی بالکل زائل نہیں ہو چکی ہے اور گوتھر اکے غاروں سے بلند ہونے والے شعلے سرد ہو گئے ہیں، تاہم ایسے فرزندان وطن ہنوز موجود ہیں، جن کے دل میں پوری طاقت کے ساتھ جذبۂ انتقام کا تخم بویا جا رہا ہے!

ہمارا ہیرو، جس نے قصر امارت تک پہونچ سکنے کی دشواری کو سہل کر لیا تھا اور بہ آسانی امیر کی خوابگاہ میں داخل ہو کر حسن کے سینے پر اپنا گھٹنا ٹیک کر ثابت کر دے سکتا تھا کہ گو ایک فاتح آرام کی نیند سو سکتا ہے لیکن وہ ایک شیدائے وطن کی گرفت سے قلعہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتا، ان چند ایرانی نفوس میں سے تھا جو عربوں کی نسل سے متنفر تھے اور وطن کے لیے جان دے دینا پسند کرتے تھے۔

یہ سواحل بحر اخضر کے ایک دور افتادہ گوشے میں پناہ گزیں تھا اور علاقہ کرمان کی نسل کا ایک پہاڑی دستہ اس کے ساتھ تھا۔ اس قوم کی جان نثاریوں اور شہامتوں کی روایات فارس میں ضرب المثل ہیں یہ لوگ اپنے قدیم مذہب پر اسی صداقت کے ساتھ فدا ہو جانے کے لیے آمادہ رہتے ہیں، جس صداقت کے ساتھ ان کا خدائے خاور اپنی نیم باز آنکھوں سے کوہستان فارس کی یخ بستہ چوٹیوں پر اپنی آخری شعاعیں اب بھی نازل کرتا رہتا ہے۔

اس کا نام اگر دوستوں کے دلوں میں عظمت و محبت کے جذبات، ابھارنے والا تھا تو دشمنوں کے لیے وہ خوف و ہراس کا مترادف تھا، عرب آبادی میں اس کا نام غصہ و نفرت کے جذبات کو یکسر برانگیختہ کر دینے والا تھا اور تمام غدار ایرانیوں میں وہ انتہا درجے کا ملعون و خوف ناک سمجھا گیا تھا، یہاں تک کہ بعض لوگ اس کو ساحر کہتے تھے اور بعض کا خیال تھا کہ جنوں کا بادشاہ اس کی مدد کرتا ہے۔

ہر چند کہ وہ اتنا ہی جری اور بہادر تھا، جتنا ایک انسان کے لے ہونا ممکن ہے، لیکن جس چیز نے اس کے کارناموں کو مافوق الفطرت بنا دیا تھا، اس کے عزائم کو سحر آگیں کر دیا تھا، وہ صرف ارض وطن کے ساتھ اس کا جذبہ عشق تھا! اسی کا اثر تھا

کہ وہ مشکل سے مشکل حالت میں بھی سر بکف اور ہر لحظہ جان نثاری پر آمادہ نظر آتا تھا! اس کا سحر اس کی تلوار تھی، جس پر قوم پرستی کا پانی چڑھا ہوا تھا اور اس کا افسوں ''حریت'' کا لفظ تھا جو اس کی زبان کا وظیفہ تھا۔

بلا شبہ وہ ایسے دودمان سے تھا جس میں بہت سے ہیرو پیدا ہوئے جن کی سپہ گری کی روایات، بہادری کی داستانیں، آفتاب کی شعاعوں کی طرح روشن تھیں اور جن کے کارناموں نے اس خاندان کے خون کو ایسا مقدس بنا دیا تھا، جیسا لبنان کے چھوٹے چشمے کے کناروں پر صنوبر کے درختوں کی قطار نے اس کے پانی کو برگزیدہ بنا دیا ہے۔

اس وقت ایران کی روح ہر چند غم ناک تھی مگر اپنے ماضی کے جلال و عظمت کے افسانوں سے معمور و آباد چنانچہ اس ہیرو کے دل و دماغ نے اسی صولت و شوکت کے گہوارے میں تربیت پائی تھی۔ اور گو اس کے دل و دماغ کی اٹھان، اس کے جذبات و حسیات کی پرواز، فارس کے آسودہ ترین ماضی کے لیے زیادہ موزوں و مناسب تھی مگر منشائے فطرت تو یہ تھا کہ وہ زمانہ اشک و غم میں پیدا ہو، پھر ایسی ہستی کے لیے جس کی افتادِ طبع یہ ہو، سر تسلیم خم کر دینا کیونکر گوارا ہو سکتا تھا! مغلوبیت کی ذلت اس کی شرافت قومی کے احساس کے لیے بہت زیادہ سخت تھی، اور اس لیے کہ وہ وطن محبوب کا تماشائے ذلت نہ دیکھے، ایک گمنام گوشے میں جا چھپا تھا کہ اطمینان سے صورت انتقام پیدا کرے مگر فرزندانِ وطن کی آنکھوں سے ٹپکنے والے اشک غم کے قطرے اس کے قلب تپاں آتشیں سیال بن کر گرے اور وہ بے قرار ہو کر باہر نکل آیا۔

تاہم اس میں شک نہیں کہ حسن کی عظیم قوتوں کے مقابلے میں کرمانی جرأت و شہامت کا بروئے کار آنا دشوار تھا اور آخر کار یہی ہوا کہ فدائیان دشمن کے عظیم الشان حملوں کی تاب نہ لا سکے اور غنیم کی بے پناہ و بے تعداد فوج نے سرزمین ایران

کے ساتھ وہی کیا جو ٹڈی دل فصل خزاں کے ساتھ کرتا ہے۔

(۵)

قدیم ہرمزیہ کی خلیج سے کچھ دور، خلیج عمان کے ساحل پر اس سلسلۂ کوہستان کی آخری چوٹی نظر آتی ہے۔ جو بحر قزوین سے شروع ہو کر بحر اخضر تک پہونچتا ہے۔ اس پہاڑ کی چٹانیں ننگے دیووں کی طرح اگر ایک طرف خلیج کو چاروں سمت سے حلقہ کئے ہوئے اس کی حفاظت کی مدعی ہیں تو دوسری جانب اس کی بلند چوٹیاں آسمانوں سے مقابلہ کرنا چاہتی ہیں۔ اس بلندی کوہ پر ایک اجڑا ہوا آتش کدہ ہے، جس کے آثار بربادی کو صحرائی عقاب اپنے شہپروں سے وقتاً فوقتاً چھو جاتے ہیں اور اس پہاڑ کے غاروں کی ہیبت آفرینی ہر وقت ان طوفانی موجوں کا خیر مقدم کرتی رہتی ہے۔ جو بدمستوں کی طرح غاروں کے اندر آ آ کر سر ٹکراتی رہتی ہیں لہروں کا یہ عجیب وغریب اور پراسرار شور وغل ٹھہر ٹھہر کر پیدا ہوتا اور اس منظر کی وحشت و ہیبت کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ عام طور پر یہ مشہور ہو گیا تھا کہ ان غاروں میں ارواح خبیثہ رہتی ہیں، اور ہر شخص وہاں جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی سپاہ اسلام کے بعض افراد یہاں نظر آتے ہیں مفید کی تلاش وتعاقب میں غروب آفتاب کے وقت یہاں پہنچ گئے ہیں۔ پہاڑ کے دوسری جانب اس ویران عمارت کے بلند منارے اس طرح قائم ہیں گویا وہ امتداد زمانہ کی دستبرد سے محفوظ اور اس کی دسترس سے بہت ارفع ہیں۔ دامن کوہ میں ایک کھڈ ہے جو اپنی وسعت اور گہرائی کی وجہ سے دیکھنے والے کو بالکل طلسم بند معلوم ہوتا ہے۔ اس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور نگاہ انسانی کا وہاں تک پہنچنا محال ہے۔ یہی باعث ہے کہ یہ مقام گزرگاہ انسانی سے علیحدہ ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی گہرائی میں جو ایک غیر متحقق شور وغل سننے میں آتا ہے اور جس کی حقیت کو نہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ کان سن سکتے ہیں، آیا وہ ان موجوں کا شور وغوغا ہے جو وہاں آ کر مقید ہو گئی ہیں، یا وہ ہمیشہ مضطرب رہنے والے شعلوں کی آواز ہے، اس لیے کہ زمانہ قدیم

میں آتش کدے اکثر آتش فشاں کی بلندیوں پر تعمیر کیے جاتے تھے ہفیدؔ اپنی باقیماندہ مختصر جماعت کو اس مقام پر لے آتا ہے اور جب یہاں پہنچ جاتا ہے تو ایک مسرت انگیز اطمینان سے متاثر ہو کر کہنے لگتا ہے۔

''اے وحشت ناک غاروں میں جانتا ہوں کہ تمہاری اس تاریک فضا سے شیطان بھی خوف کھاتا ہے، لیکن تم ان لوگوں کے لیے، اطمینان جنت مہیا کرنے والے ہو جو سلاسل غلامی سے بھاگے ہوں، اس لیے میں تمہارے خیر مقدم کو محسوس کرتا اور مطمئن رہوں!''

ایک نہایت تنگ اور تاریک پل کے ذریعے سے جو صرف ہفیدؔ یا اس کے سرداروں کو ہی معلوم تھا، یہ جماعت اس درے کو عبور کرتی ہے اور ویران معبد میں پہنچ کر پناہ گزیں ہو جاتی ہے۔ یہاں وہ اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتا ہے۔

''یہ ہماری آخری جائے پناہ ہے اور کم از کم ہم لوگ اس مقام کو اپنا گھر یا وطن کہہ سکتے ہیں۔ یہاں رہ کر دشمنوں کے ترانہ ہائے فتح وظفر کی مکروہ آوازیں ہمارے کانوں تک نہ پہنچ سکیں گی، اگر ہم زخمی بھی ہوں گے تو یہاں پناہ لینے کے بعد ہمارے اعضا مسلمانوں کے قدموں سے پامال نہ ہو سکیں گے۔ ہماری گرم اور خونچکاں لاشوں کو اگر دحوش وطیور نوچیں گے، کھائیں، تو ظالم دشمنوں کی آنکھ تو اس منظر کو نہ دیکھ سکے گی! اس لیے ہمیں ایسی یہ موت کو ترجیح دینا چاہیے، اور ایسے مقام پر موت کا استقبال بصد مسرت کرنا چاہیے۔''

جس وقت یہ جماعت اس مقام پر پہنچی، رات کا وقت تھا اور اس شکستہ آتش کدے سے رہ رہ کر اٹھنے والے شعلے ہفیدؔ کے چہرے کو جب وہ گفتگو کر رہا تھا، نمایاں کر رہے تھے۔ اس نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''معاملہ اب ہاتھ سے نکل چکا ہے، انسان کے لیے جو کچھ کر سکنا ممکن تھا وہ اٹھا نہیں رکھا گیا، پھر اگر مادر وطن خود ہی اس منظر ذلت وخواری کو گوارا کرتی ہے کہ اس

کے محارب ایک متعصب اور طالع ہستی کے سامنے سرنگوں ہو جائیں، اس کے متکبر فرزندوں کی عالی حوصلہ روحیں مسلمانوں کی غلامی قبول کر لیں تو کرنے دو! بالآخر ایک وقت آئے گا کہ وطن کی مایوسیاں آسمانوں سے فریاد کریں گی اور غلامی کا بار اس قدر ذلیل و ناپاک ہو جائے گا کہ حقیر سے حقیر انسان بھی اس کو برداشت نہ کر سکے گا، حتی کہ کچھ عرصے کے بعد احساس شرم و انفعال کی آگ ان کے ضمیر میں جلن پیدا کر دے گی۔ اور ان کے بزدلانہ آنسو جو ایک غلام ہی کی آنکھ سے بہہ سکتے ہیں، قلب و جگر پر تیزاب کی سوزش پیدا کرنے لگیں گے! مگر یہ اسلحہ جو میرے اور تمہارے ہاتھوں میں ہیں مقید نہیں ہیں یہ روحیں جو میرے اور تمہارے جسموں کے اندر ہیں غلامی کے دھبوں سے پاک ہیں، یہ مختصر قطعہ زمین استبداد پسندوں کے ناپاک قدموں سے نجس نہیں ہوا اور ہر چند ہم لوگ تعداد میں بہت کم ہیں، امواج حیات کا تلاطم ہماری رگوں کے اندر سے بسرعت نکالا جا رہا ہے، لیکن انتقام کے لیے یہ جماعت بھی کافی سے زیادہ ہے! لبنان کی وادیوں میں غروب آفتاب کے وقت حملہ کرنے والے شیروں کی طرح ہم لوگ بھی اپنے شکار پر حملہ آور ہوں گے اور جب وہ قلب و جگر جو فخر و غرور سے پھولے ہوئے ہیں۔ ہماری تلواروں کا پیغام و داغ سن لیں گے اور ہماری امیدوں کی حرکت سکوت سے بدل جائے گی، جسے پھر جذبۂ مایوسی کی آخری بھرک بھی متحرک نہ کر سکے گی، تو یہ پیغام ان چند نفوس کا مدفن بن جائے گا، جن کی بہادری گو بے نتیجہ ہو، لیکن آیندہ قوموں کے لیے دلیل راہ ضرور ثابت ہوگی۔"

ہر چند یہ عبادت گاہ بالکل تباہ و برباد تھی، عہد قدیم کی طرح نہ وہاں پھول چڑھائے جاتے تھے نہ کوئی جبیں عبودیت آگین سجدہ ریز نظر آتی تھی، تاہم وہ خدا جوان سرداروں کے آباؤ اجداد کی عبادت او دعاہائے صمیم کو سنا کرتا تھا، ان سرداروں کا عہد و پیماں بھی سننے کے لیے تیار تھا، انھوں نے اپنے اسلحہ معبد پر رکھ

دیئے اور قسم کھائی کہ اپنے خون کا آخری قطرہ بھی ایران کی عزت مجروح کے لیے بہا دیں گے اور اسی شعلہ فشاں پہاڑ پر اپنی جانیں وطن محبوب و مقدس پر قربان کر دیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ اس مختصر جماعت کے دل جذبات وطن پرستی سے لبریز تھے اور ان کے لیے یہ داد کسی طرح کم نہ تھی کہ ان کے مصائب نے ایک دشمن لطیف، ایک دوشیزہ نازنین کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک دریا بہا دیا تھا وہ دوشیزہ نازین جس کے دل کو محبت نے مصائب کے ہاتھوں سے چھوا وہ جس کی زندگی تفکر سے اتنی ہی بری تھی جتنی کہ وہ معصیت سے پاک تھی اور جس کی نیندیں ایک جھیل کے خواب پرسکون کے مانند تھیں یہاں تک کہ دفعتہً محبت نے اپنی طلسمی سنگریزوں کی بوچھاڑ سے اس کو جگا دیا۔ امیر العربی کی بے پروا لڑکی اس ہجوم و انتشار کے زمانے میں بھی اس گل سوسن کی طرح شگفتہ و متبسم تھی جو ایران کے میدانوں میں دیکھا جاتا اور جس کی سبزی کو عرصۂ کارزار گرم ہو جانے کے بعد مقتولین جنگ کے خون نے داغ دار بنا دیا ہے۔ وہ سبک روح دوشیزہ جو اس وقت تک باپ سے متفکر و متردد نہ کر سکتا تھا! اس وقت محبت نے اس کے تمام محسوسات کو باطل کر کے سراپا فکر و اضطرب بنا رکھا ہے! جب کبھی وہ باغیوں کا مقتل دیکھتی ہے تو ہر قتل ہونے والے گبر پر اپنی محبت کے ناکام کے آنسو بہاتی ہے اور ہر کشیدہ تلوار اسے اپنے محبوب ہی کے خون حیات میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔

اب ہندہ اپنے باپ کی تلوار، پہلی سی سبک خرامی کے ساتھ اٹھا کر نہیں لاتی، اور اگر الحسن کی آنکھوں پر پردہ غفلت پڑا ہوا نہ ہوتا، تو وہ میدان قتال سے واپسی کے وقت اس کے ارتعاش جسم اور اس کے کھوئے ہوئے حواس کو دیکھ کر معلوم کر سکتا تھا کہ اس تبدیلی کا باعث محبت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

افسوس ہے کہ ہندہ کی یہ محبت وہ محبت نہ تھی جو اس کے معصوم دل کے لیے

موجب برکت ثابت ہوتی۔ اس کی محبت وہ کھلی ہوئی محبت نہ تھی جسے دنیا کی نظریں پسند کر لیتی ہیں اور جس کا پیمان زمین پر باندھا جاتا اور مہر آسمان پر ثبت ہوتی ہے اس کی محبت وہ محبت نہ تھی جو ابتسام الفت اور تعشق ازدواج کی مسرتوں کو قلب کے اندر گرہ نشاط بنا دیتی ہے! اس کی محبت کا مہک شعلہ تو ضبط و خاموشی اور غم و انفعال کی آغوش میں پرورش پا رہا تا اس کا جذبۂ الفت انبساط و امید سے معرا تھا اور ایک ناجائز طریقے پر حاصل کی ہوئی دولت کے مانند اس کی روح کے عمق میں دفن تھا! اس کی محبت ایک ایسی مورت تھی جس کا نہ کوئی نام ہوتا ہے نہ استھان، اور جس کا حسین و سوگوار پرستار اس وقت جب کہ کائنات محو خواب ہوتی ہے دیدۂ انجم کی طرح بیدار رہتا ہے!

اس وقت کے بعد جب ہندہ نے ماہتاب کی کرنوں میں اپنے محبوب کو کشتی لے جاتے ہوئے دیکھا تھا، رات کی تاریکیاں بحر عمان کو سات بار ظلمت آگین بنا چکی ہیں، کیونکہ ہندہ کے لیے تو زوال پذیر ماہتاب بھی اب تاریکیوں سے مملو تھا۔ ہندہ ہر شب آدھی رات کو اس غرفے میں جا کھڑی رہتی کہ تنہائی میں کچھ آنسو بہا سکے، وہ وسیع و عمیق فضا کو دیکھتی رہتی اور اس کا انتظار کرتی رہتی تھی جس کے تبسم نے اسے پہلی بار رونا سکھایا تھا، لیکن انتظار اور گریۂ ہجر دونوں بے کار ثابت ہوئے اور ہندہ کو وہ کشتی پھر دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔

آج آٹھویں صبح ہے اور الحسن کی پیشانی غیر معمولی طور پر روشن ہے، اس نے ہندہ سے کہا۔

''اٹھو بیٹی! قرنا کی آواز سے تو مردے تک جاگ اٹھے، لیکن تم ابھی تک سو رہی ہو! اٹھو کہ آج کا دن میرے لیے نہایت مبارک دن ہے، آج کی شب بستر پر جانے سے پہلے میرے ہاتھ اس شخص کے خون سے رنگین ہوں گے جو ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے''۔

ہندہ کی دنیا میں ہر لفظ اور ہر جملہ کی ضمیر، قطب نما کی طرح صرف ایک ہی ہستی کی طرف رجوع کرتی تھی، جس وقت الحسن نے یہ خبر سنائی تو اس کو شبہہ پیدا ہو گیا کہ اس شخص سے مراد اس کا محبوب ہی نہ ہو! وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ الحسن نے ہفید کا نام لے کر اسے یقین دلا دیا اور ہندہ بے ہوش ہو گئی۔ وہ قیاس کر سکتی تھی کہ اس کا محبوب ضرور ہفید کے رفقاء میں سے ہے۔

ہفید کی مختصر جماعت میں ایک غدار وطن فروش بھی تھا۔ جس کی سفلہ خوئی نے دولت دنیا کے عوض الحسن کو اس مقام پر پہنچ جانے کا راستہ بتا دیا تھا، جہاں حریت اپنے آخرین استحکام خونیں میں پناہ گزیں تھی۔ گذشتہ شب جب گبروں کی یہ جماعت اس بلندی پر پہنچنے سے قبل آخری جنگ میں مبتلا تھی تو وہ دشمن قوم و وطن بھی اس میں شریک تھا اور بدقسمتی سے بچ گیا تھا۔

رات زیادہ ہو جانے کے باعث فسانہ ملتوی کر دینا پڑا۔ لالہ رخ اپنی خوابگاہ میں چلی گئی، اور جب صبح اٹھی تو غیر معمولی طور پر مسرور تھی۔ اس کے رخساروں پر گلاب کی سی شادابی و رنگینی نمودار ہو گئی تھی۔ یہ نتیجہ تھا اک خواب کا جو لالہ رخ نے گذشتہ شب میں دیکھا تھا اس نے خواتین حرم سے اپنا خواب بیان کیا کہ ''مشرقی سمندروں میں جہاں بحری خانہ بدوش ہمیشہ سکونت پذیر رہتے ہیں اور ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے کو سفر کر کے ایک دائمی اور مستقل بہار کا لطف اٹھاتے رہتے ہیں ایک کشتی چلی جا رہی ہے۔ ایک چھوٹی سی کشتی اسے اپنی جانب آتی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ کشتی بالکل ایسی ہی تھی جیسی باشندگان جزائر مالدیو یہ ہر سال خوشبوؤں اور نجور سے بھر کر ہواؤں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ پہلی نظر میں یہ کشتی اسے خالی نظر آئی، لیکن نزدیک آنے ..... ''ہنوز وہ اپنا خواب یہیں تک کہنے پائی تھی کہ خیمے کے دروازے پر فرامرز نظر آیا۔ یہ کہنا فضول ہے کہ فرامرز کی موجودگی میں وہ تمام باتیں بھول جاتی تھی۔ سب نے باقی فسانہ شروع کرنے کی درخواست کی،

مجموں میں تازہ نجور ڈالے گئے اور بنفشے کے نفیس شربت سے سب کی تواضع کی گئی۔ فرامرز نے اپنے ستار کے تاروں درست کیا اور باقی قصہ کہنا شروع کر دیا۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۶)

دن ڈھل رہا ہے، سمندر کی مہیب اور خوفناک موجیں ساکن ہیں، فضائے بسیط میں پھیلے ہوئے ابر کے ٹکڑے آنے والے طوفان کی خبر دے رہے ہیں، سطح زمین پر بھی سکوت طاری ہے اور یہ خاموشی جو سما کے سکوت سے بھی زیادہ موثر ہے۔

خوطہ خور، موسم کی حالت دیکھ کر کام بند کر دیتے ہیں۔ پرندوں کو جائے پناہ کی تلاش ہوتی ہے اور ساحل پر ملاحوں کی نگاہیں آسمان کی سمت طوفان کی شدت کا اندازہ کرنے کے لیے اٹھ جاتی ہیں۔ اس پر غبار موسم میں ہندہ کا جہاز ساحل ایران کو چھوڑ کر روانہ ہوتا ہے۔ جہاز رانوں کے دستور قدیم کے مطابق اس جہاز پر کوئی موسیقی سننے میں نہیں آتی ہے اور نہ ساحل پر، اس کے ''خدا حافظ'' کہنے والے ہی نظر آتے ہیں، جس سے ظاہر ہے کہ اس جہاز کی رخصت کس قدر افسردہ، خاموش ہے۔ جہاز اس طائر کی طرح جو دنیا میں کوئی نظر التفات حاصل نہیں کر سکتا، سطح بحر پر رواں اور اس کشتی کی یاد کو تازہ کر رہا ہے جو ایک ہولناک خاموشی میں باب المندب کی موجوں کے رحم پر چھوڑ دی جاتی ہے۔

الحسن کی مصروفیت جنگ نے اسے اتنی فرصت نہ دی تھی کہ اپنی پیاری بیٹی ہندہ کو خیر باد کہنے کے لیے ساحل تک آ سکتا۔ وہ اپنے محل میں شب آئندہ کے واقعات کا تصور کر رہا ہے۔ کبھی تو اس کے چہرے پر غیظ و غضب کی علامتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں اور کبھی وہ مصروف دعا ہو جاتا ہے۔ اور دوسری طرف اس کی بیٹی، حزیں و غم ناک بیٹی، دور لے جائی جا رہی ہے، تاکہ رونما ہونے والے مناظر قتل و خون کو نہ دیکھ سکے۔ وہ عربستان کو روانہ کی گئی ہے۔ لیکن کیا ایک طویل مفارقت کے بعد مراجعت وطن کا خیال اس کے رخساروں کو رنگ مسرت سے روشن کر رہا ہے؟ کیا اس یاسمن زار کی یاد جس کی آبیاری وہ اپنے نازک و حسین ہاتھوں سے کیا کرتی تھی، کیا ان محبوب ہرنوں کا خیال جو اپنی نقرئی گھنٹیوں سے موسیقی کی طراوش کرتے

ہوئے اس کے پاس آ جایا کرتے تھے، کیا خوبصورت چڑیوں کی خوش نوائی سننے کی خواہش، کیا زبرجدی حوضوں میں سنہری مچھلیوں کی یاد، اس کے شوق کو برانگیختہ کر رہی ہیں؟ نہیں، ایسا نہیں ہے! وہ تمام ساتھیوں سے علیحدہ ہو کر، ہمراہیوں سے گریز کر کے جہاز کے ایک گوشے میں تنہا بیٹھی ہوئی، سوگ کر رہی ہے اس کی آنکھیں ان بلند گنبدوں کو دیکھتی ہیں، جہاں چند گھنٹوں کے بعد خون کا دریا موجزن ہو جانے والا ہے۔ اور وہ سرتاپا لرزش بن جاتی ہے۔ اس کے دماغ میں ایک برق خیال کوند جاتی ہے۔

''آہ، وہ حسین اجنبی کہاں ہے؟ وہ جو مجھ سے اس طرح بچھڑ گیا کہاں ہے؟ دشمن، گبر مشرک اور اس سے بھی زیادہ برے ناموں سے تجھے یاد کیا جاتا ہے، مگر اسے سب سے برے، تو میرے لیے سب سے اچھا ہے! تیری ذات میرے لیے حسن دلکشی کی دنیا ہے اور تیری یاد میرے دیار دل کی بہترین آبادی!

خداندا! اگر میرا اس سے محبت کرنا (جس سے تو واقف نہیں کہ ارادی نہیں)'' غلطی ہے تو اپنی ان خوف ناک موجوں کو حکم دے کہ وہ مجھے اسی لمحے میں نگل جائیں! اے اللہ، اس سے قبل کہ ایمان، وطن کی محبت اور والدین کے فرائض، میری اس ارضی پرستش گاہ کے مقابلے میں (جو تجھ پر روشن ہے کہ ارضی نہیں ہے) شکست یاب ہوں تو مجھے فنا کر دے! کیونکہ اس کی محبت کا طوفان میری ہستی کو بہائے لیے جا رہا ہے،

اور اس کے سامنے مجھ سے تیری بندگی بھی محال ہے! اگر فردوس بریں میں بھی وہ میرے ساتھ نہیں تو وہاں کی تاریکی و تکدر، مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گا!'' ہاتھوں کے پنجے ایک دوسرے میں پیوست ہو کر رہ جاتے ہیں، آنکھیں اٹھ جاتی او زعفرانی رخساروں پر آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے نور ماہ میں، ابر نیساں کے قطرات کے طرح، ٹپکنے لگتے ہیں۔

اس کے لبوں سے جنھیں شعلۂ متکلم کہہ سکتے ہیں ہذیان شوق میں، پر ہیجان الفاظ اور جادۂ تہذیب کی حدود سے باہر ہونے والے الفاظ ادا ہونے لگتے ہیں۔ مگر اس کا چہرہ اب بھی منور ہے، اس کی چشم سیاہ اب بھی نور سے چمک رہی ہے۔

اس وقت اس کے ذہن و دماغ سے، سوائے ایک خیال کے ساری کائنات فراموش ہو چکی ہے۔ طغیان بحر شور فزا ہونے لگتا ہے۔ طوفانی موجیں شب آرائیاں کرنے لگتی ہیں، تمام جہاز والے بدحواس و مضطرب ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہندہ کو اصلا محسوس نہیں ہوتا اور وہ مطلق توجہ نہیں کرتی، جہاز طوفان میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بادبان اور مستول جدا ہونے لگتے ہیں، فریادوں کا شور و غلغلہ طوفان میں اور اضافہ کر دیتے ہیں، لیکن یہ صرف طوفان باد و باراں ہی نہیں ہے، اس میں طوفان تنہا عناصر فطرت ہی کو دخل نہیں ہے بلکہ طوفان کے ساتھ دشمنوں کا حملہ بھی ہے! تختہ جہاز پر جنگ کے نعرے بھی بلند ہو رہے ہیں اور دست بدست لڑائی ہونے لگتی ہے! ہندہ اپنی دعاؤں کے مقبول ہونے کا یقین کر لیتی ہے اور وقت آخر قریب سمجھ کر سجدہ میں گر جاتی ہے اور کہتی ہے

''الہ العالمین، مجھے معاف کر! میرے اوپر رحم کر!''

جہاز ٹکڑے ہونے لگتا ہے، تلواروں سے تلواریں ملنے کی جھنکاریں سنائی دے رہی ہیں، خون بہہ بہہ کر سمندر کی طوفانی موجوں کو رنگین بنا رہا ہے اور خوف ناک طوفان کے دست فنا سے ایک غیبی ہاتھ ہندہ کو چھڑا لیتا ہے وہ کس کا ہاتھ تھا؟ یہ وہ خود بھی نہیں جان سکی۔ اس منظر قتل و خون ریزی میں ہندہ اس طرح کمہلا کر رہ جاتی ہے جیسے آتش فشاں کی گرم فضا میں کوئی پھول مرجھا جائے! عرشۂ جہاز، جس پر جنگ آور برسر مقابلہ تھے، پامال ہو کر پاش پاش ہو جاتا ہے، بادبان جو مقابلہ آوروں کے سروں پر ایک پرچم خونین بنا ہوا تھا دھجیاں ہو کر اڑنے لگتا ہے۔ برق شمشیر جو شہاب ثاقب کی طرح چمک رہی تھی اس ہنگامے میں چھپ جاتی ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ جملہ عناصر غیظ وغضب میں مبدل ہو گئے تھے اور اس کیفیت کے بعد اس شک اور تذبذب کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں کہ آیا انسان زیادہ غضب ناک ہے یا فطرت!

کچھ ہوش اور کچھ بے ہوشی کی حالت میں شکستہ عرشے پر ہندہ نظریں ایک پیکر سماوی کو دیکھتی ہی، وہ پیکر جو اس کے دل کو منور بنائے ہوئے تھا۔ اس عالم رست و خیز اور طوفان وتباہی میں وہ حسین شکل سب سے زیادہ ممتاز نظر آتی تھی، جس طرح اندھیری رات میں عطارد، جو اپنی مغرور روشنی سے باشندگان مغرب کو بہرہ ور نہیں ہونے دیتا اور تمام ستاروں میں ممتاز معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک جھلک تھی جو ہندہ کی بند ہونے والی آنکھوں نے دیکھی، یہ ایک خواب تھا جو اس کی نگاہ کے سامنے ایک لمحے سے زیادہ قائم نہیں رہا لیکن ناممکن تھا کہ یہ نظارہ اس کے محسوسات کو صدمہ پہنچائے اور حرکت میں لائے بغیر رہتا اور یہ محسوسات ہندہ کی ایک مضطربانہ چیخ نہ بن جائے! مگر وہ قبل اس کے کہ دیکھ کر کچھ سمجھ سکتی، بے ہوش ہو گئی۔

کارگاہ طغیان میں صرف ہونے والے عناصر بھی خستہ ہونے لگتے ہیں یعنی جب طوفان نکل جاتا ہے تو فطرت بھی ایک قسم کی تھکن محسوس کرنے لگتی ہے۔ جس سے ساری فضا میں ایک راحت بخش سکون میں غرق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی سمندر اور زمین ایک عمیق نیند میں محو نظر آ رہے ہیں اور محسوس ہو رہا ہے کہ صبح کی آغوش میں دن بیدار ہوا چاہتا ہے۔ طوفانی ہواؤں کی مخالفانہ دستبرد نے جن خوشنما شگوفوں کو تہ و بالا کر دیا تھا، ان کی پنکھڑیاں اوج فضا میں تیرتی نظر آ رہی اور آہستہ آہستہ زمین پر گر رہی ہیں اور ان قطرات طوفان میں جو گھاس اور پتیوں پر رہ گئے تھے قوس قزح کی سی تابش پیدا ہو گئی ہے۔ ہوا چونکہ کسی سمت کی نہیں اس لیے ہر سمت کی ہے اور یہی باعث ہے کہ وہ اس وقت مختلف خوشبوؤں سے لدی ہوئی ہے سمندر کا نیلگوں پانی جس پر آفتاب کی تاب ناک شعاعیں پھیل گئی ہیں، خاموش سانسیں لے رہا ہے۔ گویا وہ ایک ایسے عاشق کا سینہ ہے جو تازہ مبتلائے عشق ہوا ہے، اس قدر تازہ کہ اگر وہ تپش اور تڑپ میں مقید نہیں ہے تو آرام و سکون حاصل کرنے سے بھی محروم ہے!

موسم کے اس لطف فرما سکون میں، ہنذہ اپنے طویل عالم بے خودی سے آنکھیں کھولتی ہے اور اپنے گرد و پیش ہر چیز کو اسی طرح ساکن پاتی ہے گویا کبھی طوفان آیا ہی نہ تھا، کبھی جنگ ہوئی ہی نہ تھی۔ پانی کی کمزور موجیں کشتی سے ٹکرا رہی ہیں اور کشتی آہستہ آہستہ موجوں کے بازوؤں میں چلی جا رہی ہے۔ لیکن کیا وہ اسی تختہ جہاز پر ہے جو اسے ساحل ہرمزیہ سے لے کر روانہ ہوا تھا، وہ جہاز جس کے تعاقب میں موت و تباہی کا فرشتہ لگا ہوا تھا؟ نہیں، وہ اپنی رشک غزال اور فخر نرگس آنکھوں کو ملتی اور دیکھتی ہے کہ وہ ایک چھوٹی سی کشتی میں ہے جس پر سایہ کرنے کو نہ تو مخملی شامیانہ ہے اور نہ کوئی پیش خدمت موجود ہے جو پر طاؤس سے اس کی

خوابیدہ آنکھوں کی مگس رانی کرے، نہ اس کے لیے کوئی تکیہ ہے اور نہ بستر پر گلہائے یاسمیں منتشر ہیں، بلکہ بے ترتیبی کے ساتھ پھیلائی بھوری گھاس اس کا بستر ہے جس پر سپاہیون کے فوجی لبادے بچھا دیئے گئے اور نیزوں کو کھڑا کر کے ایک آدھ بوسیدہ شال کو پھیلا کر سایہ کر دیا گیا ہے۔ کشتی کے دوسرے کنارے پر چند سپاہی بڑے ہوئے آرام کر رہے ہیں ان میں سے بعض حلیم المزاج سمندر کو دیکھ رہے اور اپنے اپنے خیال میں غرق ہیں اور بعض پہاڑ کی بلندی کو دیکھ کر کسی اور ہی خیال میں محو ہیں، لیکن اس گروہ محاربین میں ایک عرب کی تلوار بھی اس کی حفاظت کے لیے نہیں ہے، ایک عمامہ پوش صورت بھی نظر نہیں آتی، بلکہ تمام ایرانی عبائیں، چمڑے کی پٹیاں زرد رنگ کے کمر بند اور پشمینی ٹوپیاں پیش نظر ہیں۔ وہ یقین کر لیتی ہے کہ آج قدرت نے اسے ہفید یا اس کے رفقا کے قبضے میں دے دیا ہے۔ ہفید یعنی اک گبر! اس خیال سے اس کا دل لرز جاتا ہے، سرد پڑ جاتا ہے، کیونکہ اسے ابتدا ہی سے اس نام سے نفرت کرنا سکھایا گیا اور بتایا گیا تھا کہ وہ شیطان سے بھی بدتر ہے! ایک ایسا دوزخی وجود ہے جو انسان اور خدا کے درمیان اپنے سائے کو حائل کر دیتا ہے! ہندہ اس وقت اسی کے قبضہ میں ہے، اسی کی قید میں ہے، تنہا اور زندہ! یہ گروہ اسی کے سپاہیوں کا ہے جو سب مشرک ہیں سب دشمن ہیں! وہ اپنے دل میں ایک خواہش کا احساس پاتی ہے، ایک امید پیدا کرتی ہے اور پھر مایوس ہو جاتی ہے۔ وہ اس گروہ پر تجسس کی ایک نظر جایا ڈالتی ہے، ایسے تمکین و رعب کے ساتھ کہ درشت فطرت اور حسن سیرت سپاہی بھی تکریم و تعظیم میں مؤدب ہو جاتے ہیں۔ گویا وہ سمجھ گئے ہیں کہ ہندہ کی آنکھیں کس کو ڈھونڈھ رہی ہیں۔ لیکن اس کی چشم امید و تحیر اپنے مقصود کو نہیں پاتی ہے، ہو پیکر خیال جسے خون اور پانی کے طوفان میں دیکھنے کا اسے وہم سا تھا پرواز خیال بن کر غائب ہو جاتا ہے! گویا وہ عالم قوس قزح کا ایک خواب پراں تھا جو نصف سایہ و نصف نور ہوتا ہے!

ملاح، تازہ قوت عمل کو کام میں لاتے ہیں۔ چپوؤں کی حرکت تیز ہو جاتی اور کشتی روشن لہروں پر سرعت رفتار کے ساتھ سمندر کے آئینے کو پاش پاش کرنے لگتی ہے۔ ہندہ کو اب علم ہوتا ہے، خوف آمیز علم ہوتا ہے کشتی کا مقصود ایک پہاڑی قلعہ ہے۔ وہ عمارت بلند و مستحکم جس کے نظارے سے اس کا خون سرد ہونے لگتا ہے! کیونکہ وہ جانتی ہے کہ یہی وہ مقام، جہاں دشمنان اسلام کفاران ایران محصور ہیں اور جن کی مثال اس انبوہ عقرب کی سی ہے جو اپنے اپنے زہر کے نشے میں دائرہ دار گھوما کرتے ہیں! طوفان کے روشن سکون میں وہ تاریک پہاڑ اپنی تمام ہیبت ناکیوں کے ساتھ قائم تھا، اس کی زہرہ گداز بلندی پر شعلوں کی لالہ رنگی ایک خوں فشاں تابش معلوم ہوتی تھی اور محسوس ہوتا تھا کہ وہ منظر مہیب بتا رہا ہے کہ موت کا مسکن کہاں ہے؟

ابھی ہندہ کے دل سے خوف و دہشت کا غلبہ کم نہ ہوا تھا کہ کشتی کے لوگوں میں سے کسی کی آواز بادبان کو گرانے اور مشعلیں روشن کرنے کا حکم دیتی ہے اور چند لمحوں میں کشتی ایک پہاڑ کے دہانے پر پہونچتی ہے جہاں پہنچ کر موجیں زیادہ برہمی کے ساتھ ٹکرا رہی ہیں کشتی اس دہانے کے اندر داخل ہوتی ہے جہاں کی تاریکی کی یہ حالت کہ مشعلوں کی روشنی بھی پوری کشتی کو اچھی طرح روشن نہیں کر سکتی اور اس مقام کی ہیبت سے ہر متنفس پر سکوت مستولی ہو گیا ہے، گویا آواز خود بھی اس اندھیرے کا ایک جزو ہو گئی ہے۔ بالآخر کشتی کی رفتار آہستہ آہستہ ہو کر رک جاتی اور ایک دلیر و جانباز سپاہی جست کر کے ایک چٹان پر پہونچ جاتا ہے، رسیاں پھینک دی جاتی ہیں چپوار اٹھا لیے جاتے ہیں اور کشتی اپنی ڈگمگ حالت کو چھوڑ کر ساکن ہو جاتی ہے ٹھیک اس حالت میں شعاع مرتعش نمودار ہوتی ہے جس سے صبح کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہندہ اس روشنی کے منفذ کو معلوم کر سکتی، وہ ایک نظر نہ آنے والی ہاتھ کی خنکی اپنی پیشانی پر محسوس کرتی ہے، سراپا لرزش ہندہ کی جلتی ہوئی

آنکھیں ایک کپڑے سے باندھ دی جاتی ہیں اور وہ بستر خاشاک سے اٹھا کر پہاڑ کی بلندی پر لے جائی جاتی ہے۔

ہندہ جو ہر چند کچھ دیکھ نہیں سکتی اور نہ جانتی ہے کہ اس کا یہ عجیب وخوف ناک راستہ اسے کہاں پہنچائے گا ہواؤں کی بیداری سے (جو اس کے گرد و پیش متحرک ہیں، محسوس کر رہی ہے کہ اب وہ اس ظلمت سے باہر آ گئی اور فضائے روشن میں سانس لے رہی ہے، لیکن افسوس، یہ کھلی ہوئی فضا پھر مفقود ہو جاتی ہے اور وہ پھر ایک نمناک تاریکی میں داخل ہونے کا احساس کرتی ہے، کچھ دور چلنے کے بعد اک ناہموار راستہ ملتا ہے اور چاروں سے صحرائی جانوروں کی آوازیں سن کر وہ کانپ اٹھتی ہے لیکن اسی حالت میں اس کے قریب سے اک آواز اس کے کان میں آتی ہے، ''خوف زدہ نہ ہو تیرا گبر یہاں موجود ہے!'' اس آواز کے ساتھ ہی ہندہ کی ساری ہستی سماعت بن جاتی ہے اور ان لفظوں کے شراب سے مسرور ہونے لگتی ہے۔ یہ اس شخص کی آواز تھی جس کے پہچاننے میں وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتی تھی، کیونکہ کائنات کی تمام صداؤں میں اس کے لیے صرف یہی اک آواز تھی جو اس قدر لطیف وشیریں ہو سکتی تھی۔ ممکن ہے کہ موسم گرما کا گلاب اپنی شہد ٹپکانے والی بلبل کو بھول جائے اور اس کے بدلے کسی دوسرے پرند کے نغمے پر اپنا حجاب رخ اٹھا دے، لیکن ہندہ اس آواز کے پہچاننے میں کبھی دھوکا نہیں کھا سکتی تھی۔

اس ناگوار و ناپسندیدہ جگہ میں، یہ خیال کہ کائنات میں جس ہستی کو وہ محبوب رکھتی ہے وہ ہستی جو عمیق غاروں میں بھی متبسم ہو کر ان کو ضوفشاں بنا سکتی ہے، اس کے قریب ہے، ہندہ کے لیے باعث سکون تھا، لیکن اس بہجت آفریں خیال سے جو رنگ مسرت ہندہ کے چہرے پر چھا گیا تھا دفعتہً افسردگی سے بدل گیا۔ کیونکہ اسے معاً! احساس ہوا کہ ہفید کو کب گوارا ہو گا کہ اس کی جماعت کا کوئی فرد ایک دوشیزۂ عرب، ایک مسلمان اور اس شخص کی لڑکی کو، جس کے خونین پرچموں کی

فتوحات نے ایرانیوں کے آتش کدوں کو سرد و بے رونق اور ایران کی پر فضا وسعت کو صحرا میں تبدیل کر دیا ہے، نظر التفات سے دیکھے؟ اور پھر یہ خطرہ کہ آنے والی رات میں، جو ایک پیغام خونیں، ایک صلائے مرگ و فنا اپنے ساتھ لا رہی ہے۔ ان تلواروں کو کون روک سکے گا جو اس وقت تک ایرانیوں کے دلوں میں مظفرانہ اترتی رہی ہے؟ وہ کون سا دست و بازو ہوگا۔ جو کے محبوب کو اس کے باب الحسن کے خون آشامی سے محفوظ رکھ سکے گا؟ کو اور بھی تڑپا دیتا ہے اور وہ بے اختیار کہنے لگتی ہے۔

''خدایا! اگر گنہگاروں کے اشک ندامت تیری بارگاہ میں مقبول ہو سکتے ہیں، اگر تیری چشم رحمت کا اشارہ ان کی پذیرائی کر سکتا ہے، تو مجھ خطا کار کی دعا بھی قبول فرما اور آج کی شب اسے اپنی حفاظت میں لے لے میں اس وقت تیرے تخت عظمت و جلال کے سامنے اقرار کرتی ہوں کہ یہ رات بخیر گزر جانے پر میں اپنے دل سے اس کی محبت کو جدا کر دوں گی، اس کی امید اور اس کی یاد کو دور کر دوں گی، ہر چند یہ چیزیں خود میرے دل کا جزو بن گئی ہیں اور میرے تار حیات کی لرزش انھیں سے قائم ہے، لیکن میں ان کو نکال دوں گی، باہر کر دوں گی اور ایسا کرنے سے جو خون دل جارہ ہوگا اسے میں تیرے حضور پیش کروں گی!''

''اے قادر مطلق! اس کی جان بخشی فرما اسے زندگی عطا کر! اس میں شک نہیں کہ میرے گرم گرم آنسو، میرے انفاس سوزاں، جو مجھے صرف اس لیے عزیز و محبوب ہیں کہ وہ اس کے لیے تھے، خطا کار تھے، لیکن عہد کرتی ہوں کہ اس ساعت کے بعد وہ تمام تر تیرے لیے وقف ہو جائیں گے! میرا شباب جو گمراہی میں گزرا ہے۔ اپنے شعلہ سوزاں کا کوئی نشان میری ہستی پر باقی نہیں چھوڑ جائے گا، یہاں تک کہ اس کا نام بھی اس وقت کے علاوہ نہ لوں گی، جب میں تیری بارگاہ میں اس ہستی محبوب کے لیے دعا مانگوں گی کہ تو اسے ملکوتی روح کی شعاعوں سے محروم نہ کر،

تا کہ وہ بھی تیری رحمت کا کچھ حصہ حاصل کر سکے! پھر جب تیری شان رحمت اس کے شامل حال ہو جائے گی، تو اس کی مثال اس آوارہ گرد ستارے کی سی ہو گی، جس کو تو نے مکرر آسمانوں پر چمکنے کی اجازت دے دی ہو! الہ العالمین! اپنے رحم و کرم سے اس کی حفاظت کر اور رہم دونوں تیرے ہیں، متفقہ طور پر تیرے ہیں، زندگی اور موت دونوں میں تیرے ہیں، اگر وہ آج قتل ہو گیا تو میں تباہ و برباد ہو جاؤں گی!''

فسانہ یہیں تک بیان ہوا تھا کہ محفل برخاست ہو گئی۔ دوسری شام کو جب منزل پر مقام ہوا تو خواتین نے لالہ رخ نے التجا کی کہ وہ خواب سنایا جائے، جو گزشتہ شب فرامرز کے آجانے سے درمیان میں چھوڑ دیا گیا تھا لیکن شاہزادی لالہ رخ،

کے افسانے سے اس درجہ متاثر تھی کہ اسے خواب کا خیال ہی نہیں رہا۔ لالہ رخ کی مصاحب خواتین میں سے بعض ایسی بھی تھیں، جنھیں فن تعبیر سے دلچسپی تھی، اس لیے انھیں خواب کے فراموش ہو جانے سے سخت مایوسی ہوئی۔ کیونکر وہ پورا خواب

سننے کے لیے اس وجہ سے بے تاب تھیں کہ جس رات شاہزادی نے یہ خواب دیکھا تھا اتفاق سے اسی صبح، اس نے نیلے رنگ کا ریشمی لباس زیب تن کیا تھا اور ان کے خیال میں یہ رنگ منحوس تھا۔ چنانچہ وہ بے چین تھیں کہ پورا خواب سن کر کوئی اچھی تعبیر پیدا کریں، مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔

فضل الدین اس افسانے کی بعض باتوں پر نہایت برافروختہ تھا، اور اس کی برہمی کا اظہار ایک سے زائد مرتبہ اس کے چہرے سے ظاہر ہو چکا تھا۔ لیکن چونکہ شاہزادی فسانے کو حد درجہ دلچسپی سے سن رہی تھی، اس لیے وہ کچھ نہ کہہ سکا اس وقت بھی محفل میں پہنچ کر خاموشی کے ساتھ بیٹھ گیا۔

کشمیری شاعر نے باقی افسانہ یوں شروع کیا۔

ان آنکھوں کے لیے جو آشنائے اشک نہیں، اس دل کے لیے جو راز دار غم نہیں۔ دامن کوہسار کا سبزہ منور، سمندر اور پاکیزہ عنبر بیز فضا میں شام کا سماں اپنے اندر وہ جاذبیت و کشش رکھتا ہے جو صرف طوفان کے بعد ہی نظر آسکتی ہے۔ مغرب کا سکون پرور ایوانوں کے دروازے کھول دینا اور ایک نم ناک صباحت کا آسمانوں سے کپکپاتے ہوئے سطح زمین پر نازل ہونا ایسا روح پرور منظر ہے، جو فطرت بہت کم پیش کرتی ہے۔

خاموشی و سکوت ہر طرف اور ہر شے پر طاری ہے وہ ہوائیں جو کچھ دیر قبل باغوں میں مسافروں کے لیے پھلوں کو زمین پر گرا رہی تھیں اب بالکل خاموش ہو گئی ہیں، امواج بحر بھی جن کے سکون سے ان کے اندر معدن گوہرین کے پگھل کر پانی مین مل جانے کا گمان ہوتا ہے نیند کے خمار میں مبتلا نظر آرہی ہیں اور جزائر بحر اپنے حسن و نزہت کے لحاظ سے سرزمین پرستان کے وہ جزیرے معلوم ہو رہے ہیں جو اثر طلسم سے ہوا میں معلق رہتے ہیں۔

ہندہ کی آنکھوں سے پٹی کھول دی جاتی ہے۔ اس کی حالت ایک مدفون مردے

کی حالت سے مشابہ ہے وہ خوف سے زرد ہو رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر لحظہ منکر نکیر کے آنے کی متوقع ہے وہ اپنے رعشہ ناک جسم کو جنبش دیتی ہے ادھر اُدھر دیکھتی ہے تا کہ ان لوگوں کی آنکھوں میں جو اس کے گرد و پیش ہیں اپنی قسمت کا فیصلہ پڑھ سکے، اس کی آنکھیں بیم و رجا کی حالت میں اس آواز نغمہ نواز کو ڈھونڈتی ہیں جو موج موسیقی بن کر اس کے کانوں میں پہنچی تھی الغرض ''وہ اسی جستجو میں مبتلا تھی کہ ''سردار ہفید زندہ باد'' کی آواز اس کے کانوں میں آئی، پہاڑ کی چٹانوں سے ہفید کی صدائے قدم ٹکرانے لگی، اس ہفید کی، جس کی شعلہ پرور آنکھوں سے شجاعان یمن نظر ملاتے ہوئے ڈرتے ہیں اور جس کا صرف نعرۂ جنگ ایک پوری فوج کو خوف زدہ و منتشر کر دیتا ہے:

ہندہ دم بخود نظریں جھکائے ہوئے کھڑی ہے وہ سمجھ رہی ہے کہ کسی کا شعلہ نظر اسے مسحور کیے دے رہا ہے۔

ہر چند وہ کسی چیز کو نہیں دیکھ رہی ہے مگر جاتے ہوئے سپاہیوں کی آواز قدم سنتی اور لرز جاتی ہے۔ آخر کار ہفید اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ میں ہندہ کا ہاتھ لے لیتا ہے اور جھک کر کہتا ہے ''ہندہ!'' وہ اس سے زیادہ کہہ بھی نہیں سکتا۔ اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اپنا نام اس نا قابل تشریح و تجزیہ لہجے میں سن کر ہندہ کے دل کے آخری گوشے سے ایک چیخ نکلتی ہے اور وہ بھی اس چیخ ہی کے ذریعہ سے سب کچھ کہہ دیتی ہے! تھوڑی دیر بعد وہ اپنی بے خبر نگاہیں اٹھاتی ہے تا کہ انھیں گبر کے سینے سے ملا دے۔ لیکن وہ دیکھتی ہے کس کو؟ اس انسان خونین، اس عفریت آتشین کو، جو جنگ کا اہرمن ہے جس کی آواز، جس کی آنکھوں کی چمک، فوجوں کو بے کار و بے اعصاب کر دیتی ہے! ہاں، مگر وہ اسی وقت یہ بھی جان لیتی ہے کہ اس کا گبر محبوب، اس کا عاشق جانباز ہفید ہی ہے! وہ دیکھتی ہے کہ ہفید، ہندہ کے چہرے پر اسی شیرینی کے ساتھ مسکرا رہا ہے، جس طرح وہ پہلی بار خود ہندہ کے قصر میں مسکرایا

اور اپنے تبسم کی وہ کرنیں پیچھے چھوڑ گیا تھا جس سے ایام مابعد میں ہندہ کے حال رویا کی راتیں منور رہا کرتی تھیں! اس کا وہ محبوب جسے اس نے ایک آوارہ وطن سماوی ہستی سمجھا تھا وہی خوفناک مفید تھا!!

باد سموم کے سیاہ طوفان میں بھی بعض لمحات ایسے ہوتے ہیں جن میں آفتاب کی خفیف و مختصر الحیات کرن نظر آیا کرتی ہے، وہاں نہ آتش فشاں کے کناروں کی شعلہ ناکی بھی بعض اوقات تبسم سے مشابہ ہو جایا کرتی ہے۔ اسی حیات انسانی پر بھی جب طوفان حوادث کا دست ستم دراز ہوتا رہتا ہے تو اس کے بعض لمحات منور ہو جاتے ہیں!

ہندہ کے طوفان حیات کے لمحوں میں سے ایسا ہی اک لمحہ اس کے سامنے ہے۔ یہ جوان پارسی، اگرچہ اس کی امیدوں کا ستارہ دھندلا ہو چکا ہے۔ اس کی آرزوئیں پامال ہو رہی ہیں، اس کا مقصد وحید ضائع ہوا جا رہا ہے، اس کا وطن محبوب، ایران، دشمنوں کا مسکن ہو چکا ہے اور وہ خود بھی ایک مردہ و مایوس دل اپنے پہلو میں لیے ہوئے ہے مگر وہ چاہتا ہے کہ حریت و آزادی جب اپنی آخری سانسیں لے رہی ہو تو وہ خود بھی اپنے تئیں فنا کر دے! جبکہ اس لمحے کی لطف فرمائی میں، ان التفات پرور نگاہوں میں، جو اس کی ہستی کو اپنے اندر جذب کر رہی ہیں، ایک وعدہ، ایک یقین یہ بھی متمکن ہے کہ ''وہ محبت کیا جا رہا ہے اور محبت کیا جاتا رہے گا!''

اس نے اس وقت ثابت کر دیا ہے کہ دنیا جس فطرت کو نشو و درشتی کا مرکز باور کرتی ہے۔ اس میں محبت کا قیام و استحکام بھی اپنی تمام تر شدتوں کے ساتھ ممکن ہے۔ وہ محسوس کر رہا ہے کہ آلام و مصائب کا لبریز پیالہ، محبت کے قطرۂ تاباں کی آمیزش سے کس قدر عجیب و غریب اور کس قدر دل پسند ہو جاتا ہے اور ہر چند تلخابۂ آلام کا پی جانا یقینی موت ہو، لیکن اس علم پر بھی اس کے پی لینے سے کسی کو احتراز نہیں ہو سکتا!

ہندہ، ان مسرت بار آنکھوں کے سامنے جن سے نکلنے والی نگاہیں اس کے دل کی گہرائیوں میں پہنچ رہی ہیں ہر خطرے کو بھول جاتی ہے اور ہر خوف و مصیبت کو فراموش کر دیتی ہے۔

یہ دونوں بندگان محبت، ویرانی و مسماری کے عظمت آفریں آثار کے اندر محصور کھڑے ہیں، بلندی کوہ کے نیچے وسیع میدان پھیلا ہوا ہے جو سمندر کے وسیع میدان کو چھو رہا ہے، سامنے سمندر کی ہلکی ہلکی موجیں شام کی روشنی کا انعکاس حاصل کر رہی ہیں، سطح بحر پر بہت سی چھوٹی چھوٹی کشتیاں اپنے بادبان کھولے ہوئے آہستہ آہستہ پھر رہی ہیں، گویا عقابوں نے طوفان میں بھیگ چکنے کے بعد اپنے بازو کھول دیئے ہیں۔

لیکن یہ دل کشا خواب بہت جلد محو ہونے لگتا ہے اور ہندہ کے خطرات پھر اس کے دل پر قابض ہو جاتے ہیں، کیونکہ آنے والی رات کا خیال ہر تصور میں آ سکنے والی ہیبت کا نقشہ اس کی نظر تخیل کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ وہ جب قرمزی رنگ کے افق کو دھندلا ہوتے دیکھتی ہے جب تاریکی کا تسلط شروع ہونے لگتا اور سطح آب کا رنگ محو ہو جاتا ہے۔ تو وہ بے چین ہونے لگتی ہے اور ایک اضطراب کے ساتھ آسمان کو دیکھتی ہے اور معاً اس کے منہ سے ایک آواز، ایک کراہ نکل جاتی ہے۔

''آہ! اس نے اسی رات کے متعلق تو کہا تھا، دیکھو رات بڑھنا شروع ہو گئی ہے، خدا کے لیے تم یہاں سے چلے جاؤ، بھاگ جاؤ، اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو، میری محبت کا پاس و لحاظ ہے تو اسی وقت فرار ہو جاؤ ورنہ اس کی خونخوار سپاہ عنقریب یہاں پہنچ جائے گی، جس کا انجام اس کے سوا کچھ ہو گا کہ میں تمہارا خون زندگی بہتے ہوئے اور تمہیں دم توڑتے ہوئے دیکھوں! دیکھو، سنو! ..... کیا تم لوگوں کے آنے کی آہٹ نہیں سنتے ..... ؟ یقیناً یہ انہیں کے قدموں کی آواز ہے اور

وہ لوگ اس وقت پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ ابھی جھٹ پٹا ہے اور کچھ روشنی باقی ہے، جاؤ ہفید، خدا کے لیے بھاگ جاؤ، وہ یہاں پہنچا ہی چاہتا ہے اف! ..... وہ تمہارے خون کا پیاسا ہے اس کے مزاج سے واقف ہوں، وہ رات ہونے کا بھی انتظار نہیں کرے گا۔''

خوف نہیں، بلکہ روح کی تکلیف میں مبتلا ہندہ اس سے چمٹ جاتی ہے جو اس کی اس گفتگو سے مبہوت بن گیا۔ ہفید اس سے کہتا ہے:

''ہندہ! غموں کی ماری دوشیزہ! مجھے افسوس اور صدمہ ہے کہ تیری اس حالت ہذیان و دیوانگی کے باعث میری ذات ہے، جس طرح میں خود تباہ حال ہوں، اسی طرح ہر وہ چیز جس پر میرا سایہ پڑ جاتا ہے تباہ ہو جاتی ہے۔ میرا مقدر بحر لمیت کی ہواؤں کا سا مقدر ہے کہ جس چیز کو وہ چھو لیتی ہیں پھر وہ زندہ نہیں رہ سکتی! آج دن کے طوفان میں ہم دونوں کی کشتیاں کیوں ایک ہی وقت میں بہیں؟ اس وقت جبکہ تیرے حسن محزوں پر میری نگاہیں پڑیں، اس خزانے کو دیکھ کر جسے اتفاق نے میری گود میں لا ڈالا تھا، میں نے عہد کیا تھا کہ ان آنکھوں کے سامنے پھر نہ آؤں گا جو انسان کو انسان نہیں رہنے دیتی ہیں! میں نے کیوں اپنے اس عہد کو توڑا، اگرچہ وہ میرے کرب و درد کا باعث بھی تھا؟ اور کیوں میں اس وقت ہر ارادے سے خالی، ہر عزم سے معرا، عجز و دیوانگی کی تصویر بنا کھڑا ہوں؟ لیکن تو پریشان نہ ہو، تیری پریشانی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ شور و غل درے کے اندر موجوں کی ہنگامہ آرائی ہے۔ یہاں کسی شے سے خوف نہ کر، اس جگہ ہم دنیا کی، پر فساد دنیا کی ایذا رسانی اور اس کے خوف سے محفوظ ہیں۔ کل صبح نمودار ہونے کے ساتھ تو اپنے باپ کے پاس بھیج دی جائے گی''۔

ہندہ: کل! کل دن کا آفتاب تو تمہاری نظروں کے لیے مقدر ہی نہیں ہوا ہے! اگر ہم یہاں سے بھاگ نہ جائیں گے، اسی وقت فرار نہ ہو جائیں گے تو ان

وادیوں، ان بلندیوں سے ٹکرا ٹکرا کر ہونے والے زہرہ گزار اور سامعہ سوز نعرہ ہائے جنگ سننے کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے۔ تمہارے ساتھ دغا کی گئی ہے۔ تمہارے ایک بے ایمان وغدار رفیق نے جو اس درے کے پراسرار راستے سے اور یہاں کے تمام حالات سے واقف تھا، تمہارے ساتھ اپنی وفاداری کو، میرے باپ کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے اس میں شک نہ کرو، یہ واقعہ ہے آج ہی صبح میرے والد نے اپنے خوف ناک تبسم کے ساتھ، جو ہمیشہ ایسی خوشی کے موقعوں پر نمودار ہوا کرتا ہے مجھ سے ساری حقیقت بیان کی تھی اور اپنی نصرت و کامیابی کے مغرور خیال میں مست ہو کر فرش پر اس پاؤں مار رہا تھا گویا اس کے قدموں کے نیچے تمہارا قلب وجگر آخری حرکت کر رہا تھا! خدا واقف ہے کہ مجھے اس وقت وہم وگمان بھی نہ تھا کہ اس کا دشمن، اس کا مقصود وہی جوان محبوب ہے جس کی محبت میں میں اپنی ہستی مٹائے دیتی ہوں! اف ہنفید چلو، بھاگ چلو اور درے کی نگہبانی کسی اور کے سپرد کر دو۔ میں اپنی تمام امیدوں اور تمام توقعات کی جو مجھے خدا کی ذات سے ہیں، قسم کھاتی ہوں کہ میرا کہنا بالکل صحیح ہے۔''

ان سرد ہواؤں سے جو چشموں کو یخ میں بدل دیتی ہیں، سرد تر اور سخت تر کر دینے والا وہ درد دل ہے جو ایک اعتماد کن دل میں اس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب اس کا اعتماد پامال کر دیا جائے ٹھکرا دیا جائے۔ ہنفید کا دل بھی اس وقت سرد تھا اور منجمد۔ ہندہ کا التجا پرور بیان سن کر اس نے اس برودت دل کو محسوس کیا اور شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ وہ کھڑا ہے گویا اس کا پر حرارت خون، شرائین کے اندر جم کر رہ گیا ہے۔ وہ تصویر حیرت بن گیا اور حرکت اس کے جسم سے سلب کر لی گئی ہے۔ اس وقت وہ اس شخص کی طرح ہے جس پر دفعتہً جادو کا اثر ہو جائے یا وہ ان مرمریں مجسموں میں ایک مجسمہ ہے جو کلیسا کے اندر نظر آتے ہیں۔

لیکن یہ کرب آفرین برودت تھوڑی دیر میں زائل ہو جاتی ہے۔ اس کی عظمت

پناہ روح پھر ایک دفعہ اپنا اصلی رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اور وہ ہنڈہ کی موجودگی پر مسرت ساعت کے خیال میں پھر محو ہو جاتا ہے اس کی روح نے اپنے مفتخر ترین لمحات میں کبھی اس قدر رفعت کا احساس نہیں کیا جتنا کہ وہ اس وقت محسوس کر رہا ہے۔ اس کی مطمئن اور عزم و ثبات میں ڈوبی ہوئی نگاہیں آسمان کی جانب اٹھ جاتی ہیں، گویا قدرت کی روشنیاں اس کی آنکھوں کے اندر منور ہیں۔

''ہاں۔ ایران کے مقدس نام پر قربان ہونے کا لمحہ آپہونچا ہے اور ہر چند اس کی زندگی، اس تابش برق کی طرح جو عالم طوفان میں چمک جایا کرتی ہے، ختم ہو جائے گی، تاہم اس کی ساعت شہادت ایک سعادت ہو گی جو دوسروں کے لیے ایک ایسی شاہراہ شان و عظمت متعین کر جائے گی جو ہمیشہ قائم و منور رہتی ہے اور وطن پرستاران مستقبل، شجاعان ظلم رسیدہ اس روشن راستے پر افسوس ناک مگر غرور آفریں نظر ڈالیں گے اور اس کی روشنی میں غاصبوں کے مظالم اور سیاہ کاریوں کو دیکھیں گے اور انتقام لیں گے! پہاڑ کی یہ چٹان اس شہید کی یادگار ہو گیا اور زبان حال سے فسانۂ پاستیں کو دہرایا کرے گی۔ یہاں شعراء اور ہیرو آیا کریں گے، یہاں ضعیف اور معمر لوگ اپنی اولاد کو لایا کریں گے اور ان چٹانوں کا افسانہ سنگین ان نوجوان دلوں کو ابھارے گا۔ ہنڈہ کی داستانیں ان کی شجاعت میں اضافہ کیا کریں گی اور ضائع شدہ وطن کے اس آتش کدہ قدیم کے آستانے پر ان سے عہد و قسم لیں گے (وہ عہد جو نہ زبان کو رازدار بنائے گا اور نہ الفاظ اس کے حامل ہوں گے)'' کہ جب تک زندگی کا آخری سانس ان کے اندر موجود ہے، اس ظالم قوم کے مظالم جس کی زنجیر بے رحمی نے ایران کی حسین گردن میں داغ ڈال دیا ہے وہ داغ جو اب صرف دشمنوں ہی کے خون سے دھویا جا سکتا ہے۔ ان کے دلوں سے فراموش اور محو نہ ہو گا!!''

یہ خیالات تفاخر ہنڈہ کے دماغ میں مرتسم ہیں وہ ایک متکبر و مفتخر انداز سے اس

وقت آتش کدے کے نیم سوختہ لکڑیوں کے ڈھیر کو دیکھ رہا ہے۔ اس خیال سے کہ یہ فرش شعلہ بہت جلد اس کا بستر شہادت بننے والا ہے۔

لکڑیوں کا یہ ڈھیر، جو تمام تر خوش بو دار جنگلوں سے خود ہفید کے ہمراہیوں نے فراہم کیا ہے۔ اس لیے کہ جس اس کی آخرین امید فنا ہونے لگے تو خدائے خاور کے اس معبد میں وہ لوگ ایک درخشاں موت حاصل کر سکیں، جنھوں نے اس عبادت گاہ سے عہد کیا ہے اور جن کے لیے یہ بستر آتش اتنا ہی لطف آفریں اور سکون پرور ہے جس قدر ان کے پیغمبر اولیں، ابراہیم کے لیے نمرود کی آگ کا باغ پر بہار، سکون پرور اور سلامتی بخش تھا۔

ہندہ، اس کی نگاہ کی ہر ہر حرکت کو غور سے دیکھ رہی ہے اور حیران ہے کہ اس کی آنکھوں کی شعاعیں اس وقت اس قدر تیز کیوں ہیں؟ وہ اس وقت اپنے خیال میں کون سا نقشہ قائم کر رہا ہے؟ کیا سوچ رہا ہے؟ کیا خواب دیکھ رہا ہے؟ اس ساعت ہلاکت میں وہ کیوں یہاں کھڑا ہوا محو خیال ہے؟

ہندہ اس کے سامنے اپنے گھٹنے زمین پر ٹیک دیتی ہے اور سرتاپا الحاح و احتجاج کی تصویر بن کر کہتی ہے۔

''ہفید، میرے محبوب سردار، میرے اولین اور آخرین آقا، اگر تم نے میرے متعلق کسی جذبے کو اس سے نصف بھی محسوس کیا ہے جس قدر کہ تمہارے جوش انگیز لبوں نے مجھ پر ظاہر کیا ہے تو اس وقت دوزانو ہو کر (گو اسے قبل میں اپنے خدا کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکی ہوں) تم سے بھیک مانگتی ہوں اور اس محبت کا واسطہ دے کر بھیک مانگتی ہوں جو تمہیں میرے ساتھ ہے، کہ یہاں سے بھاگ جاؤ، ابھی اسی وقت چلے جاؤ، اس وقت سے پہلے کہ ان کے نیزے اور تلواریں بلند نظر آئیں، خدارا عجلت کرو، جو کشتی مجھے یہاں تک لائی ہے ہم دونوں کو پھر سمندر کی دور افتادہ تاریکیوں میں پہنچا سکتی ہے! مشرق، مغرب دنیا کا کوئی حصہ ہو، جس

وقت تک تم محفوظ ہو، مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں کہاں ہوں؟ اگر اسی طرح تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہو اور اسی طرح مجھ پر تمہارے ضیائے تبسم کی بارش ہوتی رہے تو آلام و آرام کا طوفان میرے لیے یکساں ہے کسی ایسے ساحل بحر پر ہمارا مکان ہوگا جہاں محبت کرنا جرم نہ ہوگا اور اگر ہوگا بھی تو وہاں ہم دونوں اپنے سروں کو جھکا کر اپنی لغزشوں کے نامہ سیاہ کو اپنے آنسوؤں سے دھو سکیں گے، پاک کر سکیں گے! شب و روز ہم دونوں مل کر طلب عفو کیا کریں گے، تم میرے لیے اللہ سے طلب رحمت کرو گے اور میں خدائے خاور سے تمہارے لیے التجائے نجات کروں گی۔''

وہ حالت وحشت و سراسیمگی میں ان الفاظ کو پورا کرتی ہے، اس کی گردن ڈھل جاتی ہے، آنکھوں سے غم و ندامت کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور ہر ہچکی کے ساتھ اس کا رشتہ حیات ٹوٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے! ٹھیک اس حالت میں گرد پر شباب ہفید ایک لمحے کے لیے اپنا افتخار و شہرت، اپنا مدعا و پیمان، آتش کدہ شعلہ پرور اور وطن ایران کو فراموش کر دیتا، تو جائے حیرت نہیں! اس کے لیے جو اس کے قدموں میں پڑی ہے۔ اگر وہ اپنے تمام عزائم سے دست بردار ہو جائے تو مقام تعجب نہیں! اگر ایک مختصر الحیات لمحے کے اس کی چشم تمنا نمود صبح کا نظارہ کرتی ہے، اگر آنے والی ساعتیں اسے تبسم سے آباد و مخمور کرنے لگتی ہیں تو اس کو کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا!!

وہ اس پیکر التجا و التماس کو اٹھانے کے لیے جھکتا ہے اور اس کی پلکوں پر آنسو کے دو موتی جھلملاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن معاً نتیجے کا خیال کر کے وہ ان آنسوؤں کو پونچھ ڈالتا ہے صبح کی جنگ میں استعمال کی جانے والی تلواروں کو جس طرح شبنم چٹائی جاتی ہے اور وہ شبنم (جو اگرچہ تلواروں کی چم کو تھوڑی دیر کے لیے دھندلا تو کر دیتی ہے، مگر اس کی آب کو داغدار نہیں بنا سکتی)، پونچھ ڈالی جاتی ہے، اسی طرح اس لمحے کا تاثر ہفید کے دل و دماغ سے رخصت ہو جاتا ہے اور وہ کہتا

ہے۔

''اگر کوئی فضا ایسی ہوسکتی ہے جہاں ہمارے جذبات کی نا قابل فسردگی صداقت عزیز و محبوب ہے اگر کوئی مقام ان نفوس محبت پرست کے لیے جو ایک بار محبت سے آشنا ہو کر پھر اس کی جدائی گوارا نہیں کرنا چاہتے لطف فرما ہوسکتا ہے، تو ہندہ باور کر کہ ہم دونوں اس فضائے راحت بخش میں ضرور ملیں گے!''

ہندہ ابھی یہ سمجھنے کی کوشش ہی کر رہی تھی کہ آیا ان لفظوں کے اچھے معنے لے یا برے، کہ ہفید بے تاب ہو گنبد کی طرف جھپٹتا ہے اور وہاں سے ایک ناقوس اٹھا کر اسے بجاتا ہے۔ اس کے رفقا، جنھوں نے اس سے عہد وفا دادی کیا ہے۔ اس صدائے ناقوس کے معنی سمجھتے اور اس صلائے مرگ کو پہنچانتے ہیں (یہ قرار پا چکا تھا کہ جب موت کا پانسہ پھنک چکے گا اور امید کے قدم رکھنے کی جگہ باقی نہ رہ جائے گی تو یہ ناقوس پھونکا جائے گا) صدائے ناقوس ان سب کو دواں دواں کھینچ لاتی ہے، اور وہ ہفید کے گرد حلقہ کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

خوف سے دم بخود اور امید سے سراپا بے تابی بنی ہوئی ہندہ اس گروہ کو دیکھتی ہے اور ہفید اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتا اور دباتا ہے۔ یہ ہاتھوں کا وہ اثر جذب ہے جو جدائی کے آخری موقع پر ہمیشہ محسوس ہوتا ہے، دلوں کا وہ شغف ہے جس کی جذباتی گرفت کے ڈھیلا ہوتے ہی نبض مسرت خاموش و ساکن ہو جاتی ہے، لیکن یہ اختلاط مغموم و متالم بھی ہندہ کے لے امید آفرین ہے شوق میں آرزوئیں ضرور ہوتی ہیں مگر ہندہ کے لیے ہاتھوں کا یہ جذب اور دباؤ ایک حسرت تھی، حسرت کا ایک خاموش طوفان تھا! شوق تھا، تیقن تھا اور یکسر لطف اضطراب! چنانچہ وہ احساس کی حالت میں کہنے لگتی ہے۔

''جلدی کرو، خدا کے لیے عجلت سے کام لو اندھیرا بڑھ رہا ہے، تاہم ہم رات سے قبل کشتی تک جا پہونچیں گے اور کل طلوع صبح کے وقت! اف میں اس مسرت

کے خیال کو برداشت نہیں کرسکتی، تمہاری معیت میں سمندر کی سطح پر، کسی دور دراز گوشے میں، ایک وقت کی حالت کو یاد کروں گی اور ہنسوں گی، سمجھوں گی کہ یہ ایک منحوس خواب تھا اور تم.....''

افسوس کہ ہفید ان التجائے صمیم اور توقعات مسرور کا کوئی جواب نہیں دیتا! ہندہ کے دل میں اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہفید سے جدا کی جارہی ہے، وہ اس مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں آنکھیں بند ہونے کی حالت میں ہندہ نے اس کی شیریں آواز سنی تھی وہ آواز جس نے اس کے تمام فاسد خیالات وخطرات کو اطمنان ومسرت سے بدل دیا تھا اور جس کے سننے سے اس کا دل مست نغمہ وموسیقی ہوگیا تھا۔

''ہفید، پیارے ہفید، اگر تمہاری مرضی یہ ہے کہ اس رات میں تم اپنی جان ہلاک ہو جانے دو تو مجھے بھی اپنے پہلو میں مرنے کی اجازت دو اور اپنے ساتھ رہنے دو! جس وقت تک میری روح وجسم کا افتراق نہیں ہوتا، مجھے اپنے محبوب کے نام کی برکتوں سے اپنی ساعتوں کو آباد رکھنے دو! جب ہمارے لبوں اور رخساروں کا رنگ حیات اڑنے لگے اس وقت ایک دوسرے کے قریب ہونے کی مہلت دو! جس وقت ہماری آخرین سانسیں نکل رہی ہوں، ان کو آپس میں وصل ہونے کی اجازت دو! ایسے حالات وحوالی میں مجھے مرمر کے جینا اور مرتے رہنا بھی محبوب ہو گا! پیارے، تم مجھے اس عجلت و بے رحمی کے ساتھ اپنے پہلو سے دور کر دینا چاہتے ہو، ایک ساعت کی مہلت دو! ایک لمحہ کچھ بڑی فرصت نہیں، میں تم سے تمہاری خیر و عافیت کا صدقہ طلب کرتی ہوں، پیارے ہفید مجھے بھیک دو!''

راستے بھر ایک طوفان جو پتھر کے دل میں بھی ناسور کر دینے والا تھا ہندہ کے قلب محزوں سے اٹھتا رہا۔ وہ پکاری چلائی، مگر ہفید کسی طرف سے بھی آتا ہوا نظر نہ آیا۔

کس کے قلب وجگر میں یہ یارا ہے جو بتا سکے کہ محبت کا یہ افتراق آخری تھا، اور

ان کی آنکھیں ایک دوسرے کو آخری بار دیکھ رہی تھیں؟ ان کا خواب شیریں تمام ہو چکا تھا اور تقدیر الٰہی جاری ہو چکی تھی کہ عرصہ زمین اب تک ان کے اجتماع کو نہیں دیکھ سکتا؟

کس قدر رحم طلب حالت ہے کہ ہنفیدؔ، ہندہؔ کو، اس کا نام لے لے کر پکارتا ہوا سنتا ہے، لیکن جہاں ہے وہاں سے دوبارہ اس تک پہنچنے کہ ہمت نہیں کر سکتا! اس کی ملتہب نگاہیں دور سے ہندہؔ کے منور چہرے سے نکلنے والی محزوں شعاعوں کو دیکھ رہی ہیں، لیکن وہ اپنے دل کو ان سے گرم نہیں کر سکتا!

(۹)

دفعتہً کوئی آہٹ ہفیدؔ کو چونکا دیتی ہے۔ وہ ایک مہیب شور وغل کی آواز سنتا ہے، جو سطحِ زمین سے اٹھ کر پہاڑ کی سنگین دیوار سے ٹکراتی ہے، گویا درے کی خوفناکیوں نے جسم اختیار کرلیا ہے! غول وعفریت بیابانی اور دوزخ کے فرشتگان عذاب، متفقہ طور پر اس کوہ عظیم کو اپنی آوازوں کی دہشت سے پارہ پارہ کردینا چاہتے ہیں! ہفیدؔ ایک لمحے تامل کرتا ہے اور خود وہی جوش میں آکر چلا اٹھتا ہے۔

''وہ آگئے! مسلمانوں نے حملہ کردیا، بہادران وطن کی روحو! اگر تم مقام اعلیٰ میں مغموم ہو، تو خوش ہو جاؤ، کیونکہ تمہاری ہم جنس روحیں بہت جلد تم سے آملنے والی ہیں!''

ایک ایسے عریس مشتاق کی پرواز شوق کے ساتھ جو اپنی عروس نو کے محلّے کی طرح رخ کرتا ہو، ہفیدؔ آتش کدے کی جانب بے تابانہ قدم اٹھاتا ہے، اس کے تمام سردار کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی تلواریں میانوں سے نکل کر بلند ہو جاتی ہیں، گویا ظلمت شب میں آن واحد کے اندر بہت سی بجلیاں ایک ساتھ چمکنے لگی ہیں! آوازوں کا خوفناک شور وغل، پیہم ومتواتر بلند ہو ہو کر، پہاڑوں سے صدائے بازگشت حاصل کر کے اپنی ہیبتوں میں اضافہ کر رہا اور ہر آن قریب تر ہوتا جا رہا ہے! والہان وطن وحریت، آوازوں کے جواب دینے کے لیے تلواروں کے قبضے مضبوط پکڑے ہوئے اپنے سردار کے اشارۂ چشم کا انتظار کر رہے ہیں، جن کی غیرت دشمنوں کے نعرۂ ہائے جنگ کی آوازوں سے زخمی ہوئی جارہی ہے! اور اب خاموش کھڑا رہنا انھیں بے تاب کئے دیتا ہے!

ہفیدؔ ان کے احساس کو سمجھ لیتا ہے کیونکہ خود اس کے محسوسات اس سے مختلف نہ تھے۔ وہ ان کو مخاطب کرتا ہے۔

''اے بہادر سردارو! جس وقت تک ہماری کمر میں بندھے ہوئے نیام، آبدار

تلواروں کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہیں کیا ہم اپنی قلت تعداد کا خیال کر کے بزدلوں کی طرح جانیں دے دیں گے؟ کیا ہم صرف اپنی جانیں ہلاکت میں ڈال کر خاموش ہو جائیں گے؟ کیا ہماری تلواریں، اپنے شکار کا خون پیے بغیر، ایک مسلمان کے دل میں پہنچنے کی راحت حاصل کیے بغیر، مفتوح ہو جائیں گی؟ ہر چند کہ دنیا کی تمام امیدیں تباہ و پامال ہو جائیں، لیکن انتقام کا جذبہ اس کے بعد ہمارے پاس رہ جاتا ہے! یہ کوہستانی وادیاں اور غار نظر آ رہے ہیں، ہم ان کو ہیبت زدہ ذہن انسانی میں ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیں گے اور زمانہ مستقبل کے ظالم و غاصب اپنے مفتوحین کی زبانوں سے اس درۂ خونین کا افسانہ سن سن کر لرز جایا کریں گے! ہاں بہادرو بڑھو! یہ مقام موت اور غلامی سے بچنے کے لیے ہماری جائے پناہ! لیکب بہتری بستر اس کا بستر ہے جو مقتول مسلمانوں کی لاشوں پر آرام کرے!''

پہاڑ کی چوٹی سے سربازان وطن کی حریت کی یہ مختصر جماعت، جس کو جوش و شجاعت نے چند در چند بنا دیا ہے، روانہ ہوتی ہے، دشمن ہنوز پہاڑ کے دامن میں ہیں اور بے شمار مشعلوں کی روشنی میں راستے کی تلاش میں اس طرح سرگرداں ہیں، جس طرح گولکنڈہ کی وادی میں خوف ناک افعی غصہ میں بھرا ہوا چمکیلے راستے پر پھرتا رہتا ہے۔ سرفروشان آزادی کے لیے کسی مشعل کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ اس پراسرار مقام کے تمام پر پیچ و خم راستوں سے واقف تھے اور اس مقام کی وحشت و ہیبت سے اس قدر مانوس تھے کہ جنگل کے جانور بھی ان سے رم نہ کرتے تھے۔

عربوں کو پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے سے قبل ایک نہایت تاریک مقام طے کرنا پڑتا تھا، اس کا جائے وقوع ایرانیوں کی مختصر جماعت کے لیے بہت کارآمد تھا۔ دن کے طوفان نے اس تنگ و مسقف گزرگاہ کو پانی سے لبریز کر دیا تھا۔ مقدمین ایران کی جمعیت اس مقام پر پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے اور نہایت خاموشی کے ساتھ دشمن کا انتظار

کرتی ہے۔

عربی سپاہ اس راستے میں داخل ہوتی اور پانی میں گھس پڑتی ہے، لیکن انہیں گبر کے محاربین کا وہاں پوشیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے اشاۂ قتل وخون دے دیا جاتا ہے۔

جنگجویان ایران کی تلواریں اگر قطعاً کندونا کارہ نہیں ہوگئی تھیں تو ان کی روانی و کارفرمائی کے جوہر آزمانے کا اس سے بہتر موقع کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ جو عرب سپاہی بڑھتا ہے ایک گبر شاہیں اس کی پیشانی کا خیر مقدم کرنے کو تیار ملتا ہے۔ اور یکے بعد دیگرے عربوں کی پاشیں پانی میں گرنے لگتی ہیں اور ان غرق ہوتی ہوئی لاشوں پر نئی نئی ٹکڑیاں آ آ کر قائم ہوتی جاتی ہیں یہاں تک کہ رفقائے ہفید کا آخرین بازوئے متحرک اپنی طاقت صرف کر چکتا ہے۔ اس جنگ سے قبل کسی حملہ آور جماعت کا خیر مقدم اس درجہ خونیں نہ ہوا ہوگا اور وطن پرستانہ انتقام کے مندر پر ایسا خوف ناک چڑھا شاید ہی کبھی پیش کیا گیا ہو!

نصف افسردہ روشن مشعلوں کی روشنی حیات بشری کی تباہی کا پر ہیبت منظر پیش کر رہی ہے۔ تڑپنے والے اعضائے بریدہ، غلطاں سر، جلتے ہوئے لباس اور شکستہ تلواریں، اس مہیب دریائے خون میں تیر رہی ہیں! طوفان خون وآتش میں غرق ہونے والے چیخ رہے ہیں! بعض سپاہی ان خون کے دریا میں ڈوبنے والوں کا سہارا پا لینے کی بے تابانہ کوششوں میں ان کی گرفت میں آ جاتے اور اپنے رفیقاں حزب کے ساتھ خود بھی غرق ہو جاتے ہیں۔

لیکن ان صدہا، ہزارہا انسانوں کا خون بھی نتیجہ خیز نہیں، کیونکہ اسی قدر دوسرے لوگ ان کی جگہ لے لیتے ہیں اور ان کی تقدیر کو اپنا مقدر بنا لیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ موسم برشگال میں ایک شعلہ پر بے شمار پروانے آ آ کر فنا ہوئے جا رہے ہیں۔ الغرض سپاہ عرب سے وہ نالہ پٹ جاتا ہے اور لاشوں اور قریب الموت جسموں کی ایک سڑک پر سے سپاہ عرب گزرنے لگتی ہے۔ اب چند آتش پرست

نفوس اپنی تنہائی و بے کسی میں ساری امیدوں کا خاتمہ سمجھ لیتے ہیں! تاہم ان کی آنکھوں میں سے انتقام کے شعلے نکل رہے ہیں، ان کو احساس ہے کہ دشمنوں کا ہجوم کسی طرح بھی مفتوح نہیں ہو سکتا، لیکن ذلت و انفعال کے جذبہ سوزاں سے یہ لوگ دل ہی دل میں جلے جا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی بے شمار فوج نے ان میں سے بعض کو کوئی حرکت بھی نہ کرنے دی اور بعض کو دل کے حوصلے نکالنے کا موقع مل گیا۔ اب جو کچھ باقی رہ گئے ہیں وہ مصروف کارزار ہیں۔ ان کی نہایت مختصر جماعت (جو جماعت نہیں کہی جا سکتی) دشمنوں کے حملے کا جواب دیتی ہوئی پیچھے ہٹنا شروع کرتی ہے۔ ہفید اور اس کے چند رفقا شدید مقابلہ کر رہے ہیں۔ وہ کم از کم چند لمحوں کے لیے تو اپنی شدت جنگ سے دشمن اور مقدر دونوں کو پاس نہیں آنے دیتے۔ بالآخر وہ اس مقام محفوظ و بلند پر پہنچ جاتے ہیں، جسے ان لوگوں نے اپنی آخرین جائے پناہ تصور کر رکھا ہے اور جہاں قتل و ہلاک ہو جانے کے لیے وہ بالکل آمادہ و تیار ہیں۔

سپاہ عرب راستہ نہیں پاتی ہے۔ اس کا شکار نکل گیا ہے نہ کوئی رہنما ہے اور نہ کوئی مشعل۔ وہ نہایت پریشانی اور تذبذب کے عالم میں بڑھتے ہیں اور جس قدر سعی مایوسانہ کرتے ہیں اتنا ہی غلط راستہ اختیار کر لیتے اور ایسے مقام پر جا نکلتے ہیں۔ جہاں سے بلندی کوہ کی روشنی بعید ترین مقام پر نظر آتی ہے۔ وہ اس ناکامی سے وحشت زدہ ہو جاتے ہیں۔ رات کی تاریکی میں اکثروں کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں۔ بعض تو غار کی گہرائی معلوم کرنے کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور بعض کسی درمیانی چٹان سے لپٹ کر معلق ٹنگے رہ جاتے ہیں۔ افراتفری کے اس لمحے میں بلند ہونے والی فریادیں غاروں کے اندر سے خوف ناک صدائے بازگشت پیدا کرنے لگتی ہیں۔

یہ فریاد و نالہ اور اس کی صدائے بازگشت، ہفید کے کان میں گونجتی ہے۔ وہ یکہ و

تنہا پہاڑ کی بلندی پر پڑا ہوا ہے وہ اس قدر مجروح و خستہ ہے کہ سانس کی آمد و رفت بھی نہایت ضعیف ہے، اس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے پندار میں تمام فرائض زندگی سے سبک دوش ہو چکا ہے۔ اس کی تلوار اس کے پاس رکھی ہے گویا اس کا آخری پیشکش خونیں مقبول ہو چکا ہے اور شاید سرزمین فارس اس سے زیادہ کی طالب بھی نہ تھی۔

اس کا خانہ دل اور عرصہ دماغ اب صرف ایک خیال کی جولانگاہ بنے ہوئے ہیں، ایک شعاع آخریں ہے جو اس کے دھندلے خواب پر اپنی کمزور روشنی ڈال رہی ہے۔ ہندہ کا تصور اس کے دل پر کبھی اس شدت سحر آفرینی کے ساتھ قائم نہ ہوا تھا۔

دفعتہً اس کے پہلو سے ایک آواز اٹھتی ہے وہ اپنے نہایت عزیز رفیق کے لہجے کو پہچان لیتا ہے جو ساری جماعت میں تنہا باقی رہ گیا ہے۔

''میرے آقا، کیا اب ہم یوں ہی ہلاک ہوں گے؟ دشمن ہم کو گھیرے میں ہوئے ہیں اور آتش کدہ ہم سے اس قدر نزدیک ہے ہم ہنوز مسلمانوں کی زنجیر غلامی سے محفوظ نہیں ہیں!''

یہ الفاظ ہنفید کے آخرین احساس شجاعت و غیرت کو جوش میں لے آتے ہیں اور وہ مجسمہ اضطرار بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے سارے جسم سے خون جاری ہے اور اس لیے اپنے تنہا رفیق کا سہارا لیتا ہے اور چونکہ وہ بے حد ضعیف ہے اس لیے وزنی بھی ہو گیا ہے۔ وہ پہاڑ کے تکلیف دہ راستے پر چلتا ہے اور ہر ہر قدم پر موت سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ یہ دونوں پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں اور دونوں کے زخموں سے خون جاری ہے۔ جہاں جہاں اس کا قدم پڑتا ہے جس جس پتھر کا وہ سہارا لیتا ہے سب سرخ ہوتے جاتے ہیں، وہ اپنی تلوار سے لکڑی کا کام لیتا ہے اور ایک دفعہ جو زور پڑتا ہے تو تلوار کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ آہ، ہنفید! وقت آخر

میں تیری تلوار نے بھی بے وفائی کی! دشمنوں کے نزدیک ہونے کی خبر ان کے نعروں سے ملتی ہے اور یہ دونوں اپنی رفتار کو تیز تر کر دیتے ہیں۔ شعلہ آگیں خانقاہ کی دیوار کا سہارا لے کر وہ اپنے مقام مقصود تک پہنچ جاتے ہیں اور ہفید اپنی نظریں معبد کے مقدس شعلوں پر جما دیتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا تنہا و آخری ہمدرد بھی آتش کدے آستانے پر گر جاتا اور اس کی روح جسم سے رخصت حاصل کر لیتی ہے وہ دیکھتا ہے اور پکارتا ہے۔

''افسوس، بہادری کے فرشتے، وفاداری اور رفاقت کی روح، بڑی عجلت کی! لیکن ان تقدس مآب شعلوں کی قسم میں تیری لاش کو یہاں خشک ہوتے رہنے اور ظالم دشمنوں کے قدموں میں پامال ہونے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا ہوں''

یقین نہیں وہ سکتا کہ اس زار و مجروح حالت میں جس طاقت کا ثبوت اس نے اپنے رفیق آخرین کی لاش اٹھا کر پیش کیا وہ کوئی انسانی قوت تھی یا کیا؟ وہ یقیناً ایک معجزہ تھا اور یہ طاقت اسے کسی اور ہی عالم سے اس وقت عطا کی گئی تھی! موت کے پسینے سے غم ناک ہاتھ شہید وطن کی لاش کو اٹھا لیتے اور شعلوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس فرض ہم نشینی سے سبکدوش ہو کر خوشبودار لکڑیوں کے انبار سے بہت سی لکڑیاں لا کر نذر آتش کرتا ہے شعلے اور بھی بلند ہوتے اور اپنے حقیقی ملجا کی سمت صعود کرنے لگتے ہیں۔ تابش شعلہ جب سطح آب پر منعکس ہوتی ہے۔ تو گمان ہوتا ہے کہ بحر عمان کی تہہ میں ایک ہجوم برق پنہاں ہو گیا ہے۔

''ہاں، خدا خود آزادی و حریت ہے! اور حریت، اے خدا میں تیرے پاس ہی آتا ہوں!!''

ہفید کی زبان سے یہ لفظ ادا ہوتے ہیں اور پھر ایک افتخارانہ تبسم کے ساتھ وہ پیکر شباب و مجسمہ شجاعت اس چشمۂ نور میں غوطہ زن نظر آتا ہے! اور قبل اس کے کہ آگ کے شعلے اس کے اعضاء و جوارح کو اپنی مقدس ہستی میں شامل کر لیں اس کی روح

فضائے حریت میں تحلیل ہو جاتی ہے۔

سطح عمان سے ایک چیخ بلند ہوتی ہے۔ یہ چیخ اس کشتی سے اٹھتی ہے جس پر ہندہ سوار تھی۔ یہ سمجھ کر کہ ہندہ بخیر و عافیت اس کے باپ کے پاس پہنچا دینے کے صلے میں الحسن ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ جائیں گے جان بخشی کر دے گا، اس نے ہندہ کو اس کشتی میں سوار کر کے روانہ کر دیا تھا۔ یہ لوگ ہنفید کے دردناک انجام سے بے خبر اپنی کشتی کو تھوڑی ہی دور لے جانے پائے تھے کہ مقابلہ شروع ہو گیا تھا۔ جس کی آوازوں کو سن کر ان لوگوں نے چپوؤں کو بے کار کر کے کشتی کو ہواؤں کے سپرد کر دیا تھا اور کامل سکوت میں ہر متنفس کی آنکھیں آتش کدے کے مدہم شعلوں پر لگی ہوئی تھیں۔

ہندہ کے کرب اور دہشت کا بیان تخیل کی طاقت میں بھی نہیں ہے اس کے اس نزع خاموش کی تکلیف ایک ایسا نقش ہے جو صرف انھیں قلوب پر منقش ہو سکتا ہے۔ جن پر یہ حالت گزر گئی ہے۔ وہ اس وقت ایک پامال مقدر ہستی ایک ہجراں زدہ دماغ تھی اور ایک شکستہ و برباد دل! کثرت غم اور شدت خوف سے ہیبت و سوگواری کی ایک برودت اس کے سارے سینے پر قابض تھی۔ ہر چند اس کے عمق دل میں امید کی روشنی افسردہ ہو چکی ہے۔ لیکن اس امید شوق انگیز کا تصور بھی اس کے ڈوبتے ہوئے دل کو پامال کیے جا رہا ہے۔

ایک بدنصیب ہستی خواہش و امید کو رخصت کر دینے کے عہد بھی اس نا قابل برداشت بوجھ کے نیچے پستی رہنے کے لیے زندہ رکھی جاتی ہے! لیکن وہ زندگی ایسی ہے جیسے برف کی سنگین چٹانوں کے اندر ذی روح اشیاء کا وجود!

لڑائی کا شور پھر جاذبِ توجہ ہو جاتا ہے اور بہادرانِ کشتی پر چند کچھ کر نہیں سکتے، مگر سریع الحرکت دل لیے ہوئے کشتی کے کنارے پر آ کھڑے ہوتے ہیں اور حالت اضطرار میں بلا ارادہ ان کی تلواریں نیم عریاں ہو جاتی ہیں۔ مگر انھیں کیا معلوم کہ جو کچھ ہونے والا تھا ہو چکا اور اب یہ تلواریں نذرِ مور چہ ہو جانے والی ہیں وہ جس کی آواز پر یہ لوگ موت کی بارش کر دیا کرتے تھے، خود بھی مہمانِ مرگ ہوا چاہتا ہے! نعرہ ہائے جنگ کو سن کر یہ لوگ لڑائی کی حالت کا پتہ چلانے کی سعی کر رہے ہیں، حالانکہ اگر وہ چاہیں تو اس فسردہ متوجہ ہستی سے جو سر دمستول کے سہارے لگی بیٹھی ہے سب کچھ سن سکتے ہیں۔ جس بات کے معلوم کرنے کے لیے وہ بے چین ہیں اسے تیقن کے ساتھ معلوم ہے اور بتا سکتی ہے کہ اس کی روح کا اولین و آخرین مقصود پرستش اس بارشِ خون و آتش میں پڑا ہوا اپنا خون بہا رہا ہے!

پہاڑ کی چوٹی پر ایک مشعل متحرک ہوتی ہے اور اسی حالت میں ہفید تصویرِ خیال بنا ہوا اس روشن آگ کے سامنے نظر آتا ہے۔ ہنّدہ کی مژگانِ غم چکان متحرک ہو جاتی ہیں وہ بلند شعلوں کو دیکھتی اور ہاں وہی ہے!'' کی ایک بے تابانہ چیخ اس کے منہ سے نکل جاتی ہے لیکن وہ پیکر نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا اور موت کے شعلے بلند ہوتے رہتے ہیں۔

ایک دل دوز و دل شکن، وحشت ناک و وحشت آفرین آواز پھر ہنّدہ کے منہ سے نکلتی ہے اور وہ ایک جست، ایک پرواز کرتی ہے، گویا وہ خود بھی انہیں شعلوں میں جا کر مل جانا چاہتی ہے، جہاں ہنوز اس کی نگاہیں جمی ہوئی تھیں! اور ان شعلوں کو دیکھتے ہی دیکھتے ہنّدہ، موجوں کی آغوش میں چھپ جاتی ہے۔! عمیق بحر میں جہاں اب کوئی فکر اس کے معصوم دل کو زیر و زبر نہیں کرتی، ہنّدہ محوِ خواب ہے:

عمق بحر کی ملکہ، بنت البحر نے کہا:

''خوش آمدی، دوشیزہ عرب خوش آمدی! عمان کے بحر اخضرین میں اس وقت تک ایک بھی ایسا گوہر شہوار پیدا نہیں ہوا، جس کی آب وتاب تیرے جلوے کے مقابلے میں لائی جا سکے۔ ایک بھی در یتیم، ان کناروں سے ایسا نہ نکلا جس کی عفت کا ذکر تیرے نام کے ساتھ لیا جا سکے۔

''اے گلہائے بحر سے زیادہ حسین ونازک جو تیرے گرد وپیش شگفتہ ہیں! محبت کا جادو چلنے سے قبل تیرے قبل معصوم کی بانسری کی آواز کس درجہ سبک تھی، لیکن محبت کی جنوبی ہوائیں چلتے ہیں اس بانسری کو موسیقی سے معرا کر دیا گیا!

''مگر سرزمین عرب کی دوشیزہ لڑکی اور ان کے عاشقان باوفا اس دختر عرب کو ہمیشہ یاد رکھیں گے جو مرواریدی جزیروں کے بستر بحر پر آسودۂ خواب ہے اور جب فصل خزاں کی مسرت باریاں شباب پر ہوا کریں گی اور جوان اور بوڑھے نخلستانوں کو جایا کریں گے تو ان میں کی مسرور ترین ہستیاں غروب آفتاب کے وقت اپنی اس تفریح سے واپس ہوتے ہوئے تیرا فسانہ سن سن کر اپنے آنسوؤں کی نذریں چڑھایا کریں گے! گاؤں کی لڑکیاں جب تہوار کے دنوں میں اپنے سیاہ ودراز بالوں کو پھولوں سے آراستہ کریں گی اور تیرے ارمان حیات کا خیال کریں گی تو گیسوؤں کی لٹیں ان کے ہاتھوں سے چھوٹ جائیں گی اور وہ اشک تاسف بہاتی ہوئی آئینوں کے سامنے سے اٹھ جایا کریں گی مادر ایران بھی، جو تیرے ہیرو کی دوسری محبوبہ ہے، تجھے فراموش نہیں کر سکتی اگرچہ جب وہ تم دونوں کے لیے چشم پر آب ہو گی تو ظالمان بااختیار اس کی آنکھوں کی بھی نگرانی کریں گے، لیکن وہ تجھے اپنے ہیرو کے پہلو میں قریب سے قریب تر جگہ پر سلائے گی اور اپنے دل کے عمق میں تیرا شوالہ قائم کریں گی! خوش آمدی مہمان جمیل، خوشی آمدی! ہمارا فرض ہے کہ تیرے بالش راحت کو سمندر کی حسین ترین چیزوں سے آراستہ کریں، چٹانوں کا ہر پھول اور موجوں کے تمام جواہر تیرے بستر کو شیریں اور تیری نیندوں کو منور بنائیں تو اس

خوش رنگ عنبر کی دمک میں مصروف راحت ہو، جس سے زیادہ تیز عنبر طائر بحر کی آنکھوں سے کبھی نہیں ٹپکا اور قصر صدف جس میں بنات البحر شب ماہ میں خوابیدہ ہوتی ہیں تیری خواب گاہ بنایا جائے گا! آرام کر کہ شاخ مرجان کے باغات سے گلرنگ قلمیں لا کر تیرے سرہانے لگائی جائیں گی اور بحر قزوین کی تہہ میں سے زرین لا کر تیری بستر پر بچھایا جائے گا۔''

''خدا حافظ، خدا حافظ! جس وقت تک حسینان جہاں اور شجاعان زمانہ کے دلوں میں جذبہ استر حام موجزن رہ گا وہ اس دوشیزہ کے لیے جو آغوش امواج میں محو خواب ہے اور اس سردار کے لیے جو بلندیٔ کوہ پر اپنی خاکستر میں آسودہ ہے روئیں گے! خدا حافظ ہندہ خدا حافظ!''

جس سکوت اور خاموشی کے ساتھ فضل الدین نے اس مثنوی اور بالخصوص اس کے آخری حصے کو سنا وہ اس قدر غیر معمولی بات تھی کہ شاہزادی اور فرامرز دونوں سخت متعجب ہوئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ فضل الدین کہ دن سے اس نوجوان شاعر کے خلاف یہ تجویز مرتب کر رہا تھا کہ کشمیر پہنچتے ہی شاہ بخارا کو اس کے ملحدانہ اور خطرناک خیالات کی اطلاع دے کر سزا دلائے گا اور اس لیے وہ خاموش تھا۔

کاروان شاہی دریائے اٹک کو عبور کر چکا تھا اور اہل قافلہ حسن ابدال کی اس فضائے رنگین میں خیمہ زن تھے۔ جسے تمام شاہان مغلیہ بلا استثناء پسند کرتے چلے آئے تھے۔

لالہ رخ نے جب اس پر فضا مقام کو دیکھا تو اس کے دل میں اس آرزو کا احساس پیدا ہوا کہ کاش وہ اس وادی میں ایک ایسی زندگی بسر کر سکتی جو محبت سے معمور ہو۔ وہ بخارا کا تخت و تاج اور اس کے شاہانہ لوازم عیش و راحت سے دست بردہونے کے لیے آمادہ تھی، اگر اس فضائے خاموش میں صرف دو چیزیں (فرامرز اور محبت) اس کے پاس چھوڑ دی جاتیں۔ لیکن وقت کی رفتار اس سریع نظر آتی تھی

اور وہ گھڑی دور تھی جب فرامرز اس سے چھن جانے والا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ لالہ رخ ان چند آخری ساعتوں کو جو ہر چند المناک تھیں عزیز تر اور گراں بہا سمجھنے لگی تھی اور اس کا دل ان لمحات محبوب سے اس درجہ وابستہ ہو گیا تھا کہ گویا اس کی زندگی انھیں کے وجود سے قائم تھی۔ یہ ایک واقعہ تھا کہ شاہزادی ایک گہرے اور شدید غم میں مبتلا ہو گئی تھی جس میں سے اسے سوائے نوجوان شاعر کی موجودگی کے کوئی شے باہر نہیں نکال سکتی تھی۔

خانقاہوں اور مقبروں کی ان شمعوں کے مانند، جن کا شعلہ صرف اس وقت نظر آتا ہے۔ جب ہوا کا کوئی جھونکا اندر پہنچ جائے، لالہ رخ کی آنکھیں بھی فرامرز کے جلوۂ خورشید کا پرتو حاصل کر کے متبسم اور منور ہو جاتی تھیں، اور اس جانفزا وادی میں پہونچ کر تو اس کا ہر ہر لمحہ ایک مستقل لطف و لذت ہو کر رہ گیا تھا! فرامرز تمام تمام دن اس کی حضوری میں موجود رہتا، اس لیے وہ ہر وقت اہل زنج کی طرح مسرور رہتی جو کسی ایسے ستارے کے مبارک اثر سے جو ہر شب ان کے سروں پر بلند ہو چمکتا اور خوش بختی کے اثرات چھوڑ جاتا ہے دائم مسرور رہتی ہے۔

ایک دن شام کے وقت شاہزادی کی صحبت میں ملکہ نور جہاں کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ فرامرز نے کہا۔

''مجھے ایک نہایت مختصر نظم یاد آ گئی ہے جس کی ہیروئن ملکہ نور جہاں ہے۔ اس فسانے میں اس واقعہ کو نظم کیا گیا ہے۔ جب ایک مرتبہ شاہنشاہ جہانگیر جشن شگوفہ کے موقع پر معہ اپنی ملکہ کے موجود تھا اور کسی خاص بات پر ان کا باہم اختلاف رائے وجہ افتراق بن گیا تھا اور پھر ہجر کی ساعتیں جن سے دونوں کی زندگی کچھ دونوں تک برباد رہی، وصال سے مبدل ہو گئی تھیں۔ چونکہ لالہ رخ کے لیے اس سے زیادہ مسرت بخش کوئی اور بات نہ ہو سکتی تھی، اس لیے اس نے ایک تبسم مسرور کے ساتھ اس واقعہ کو سننا چاہا۔ جسے فرامرز نے یوں سنانا شروع کیا۔

☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

نورمحل

وادی کشمیر، اس کے عدیم المال گلاب اور سیوتی کے وسیع تختوں اور ان کی شادابی کا ذکر کس نے نہیں سنا؟ ہاں کے دل کش کنجوں اور شفاف چشموں کی لطافت کے فسانے کون نہیں جانتا؟ وہ چشمہ ہائے شفاف، جو محبت کا مسکن بننے والی آنکھوں کی طرح ہر وقت منور نظر آتے ہیں، کسے یاد نہیں آتے؟

اس وادی حسین کا منظر، جب آفتاب غروب ہو رہا ہو، صرف آنکھ ہی دیکھ سکتی ہے کیونکہ اس کی سحر زائیاں الفاظ میں محدود نہیں ہو سکتیں! گرمیوں کی شام کو آفتاب کی آخری درخشاں شعاع جھیل پر اس طرح منعکس ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی نئی دلہن وقت شب اپنے حجلہ عروسی میں جاتے ہوئے آئینہ پر ایک آخری نگاہ ڈالتی ہے اور کسی بات کا خیال اس کے چہرہ کو رنگ انفعال سے رنگ دیتا ہے! برگ زاروں کے اندر نیم مستور سر بلند معابد کا اس فضا کے تقدس میں اضافہ کرنا، مؤذن کی مقدس موسیقی کا بلند ہو کر فضا پر محیط ہو جانا، مجوسی معابد سے بخور کا بلند ہو ہو کر ہوا کو معطر کرنا اور مندوروں کے سامنے رقص کا اپنے ماحول کو مرتعش رکھنا، یہ وہ معمولی مناظر ہیں جن سے وہاں کی سرزمین ہر وقت معمور نظر آتی ہے۔

اس نزہت گاہ کا منظر لطیف، جب ماہتاب ایک سیل نور جاری کر دیتا اور اپنی لطافت بار روشنی سے باغات و معابد کو حسین تر بناتے ہوئے آبشاروں کے اندر شہاب ثاقب پیدا کرتا ہے وہ حالت و کیفیت ہے کہ حواس انسانی تاویل کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔

غروب آفتاب اور نور ماہ کے علاوہ اس جلوہ گاہ فطرت کے مطالعے کا وقت نمود صبح کی ساعت بھی ہے، جبکہ اس کے تدریجی طلوع کے ساتھ دن کی روشنیاں، ہر لمحہ میں ایک نیا جادو جگاتی ہیں اور رنگین پہاڑیاں سفید گنبد، گوہر بار فوارے، سیال چشمے، غرض ہر شے تاریکی کے غلاف سے اس طرح باہر نکل آتی ہے گویا وہ آفتاب

کے اندر سے پیدا ہوئی ہے۔

جب نکہت، صبح کے ساتھ ہی پھولوں کے اندر سے انگڑائیاں لیتی ہوئی نکلتی ہے اور مسرت تعطر نسیم، رندانہ وضع کے ساتھ بید مجنوں کی شاخوں سے کھیلنے لگتی ہے، یہاں تک کہ وہ سرتا پا لرزش بن جاتی ہے تو وہ عالم ہوتا ہے جسے دیکھ کر جینا دشوار ہو جاتا ہے۔ لیکن آج تک برشگال کی شبنمی راتوں اور تابستان کی نورانی صبحوں نے اس وادی ارم پرور کو لطافت ونزہت، بہجت ومسرت، سے اس قدر لبریز نہیں کیا تھا جتنی کہ وہ اس وقت ہے۔ اس کی فضا یکسر معمور حسن اور تمام تر لبریز محبت ہے۔ وہ دن کے وقت خیال بندی طلسم ہے اور رات میں سحر کاری خیال۔ ہر پیشانی مسرور نظر آتی ہے اور ہر غنچہ دل نسیم بجب سے شگفتہ ہوا جا رہا ہے۔ غرض ہر سمت لذت وانبساط جلوہ فگن ہے۔ اس لیے کہ کشمیر کی مخلوق آج ''جشن شگوفہ'' منا رہی ہے۔ یہ وہ تقریب عیش وطرب ہے جس کے طغیان ابتہاج اور طوفان لذات میں باشندگان کشمیر ڈوب جاتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جب بارامولا کے بلند وشاداب درختوں کی آڑ میں دن اپنی گرم شعاعوں کو تہہ کر کے رکھ دیتا ہے، شام کی سکون پرور ساعتوں میں جھیل کا پانی ایک خنک لذت پیش کرنے لگتا ہے۔ کشمیر کی دوشیزہ لڑکیاں ریشمی تکیوں سے فرق ناز کو جدا کر کے چاندنی کے اندر زعفران زاروں پر اپنے طرز خرام سے وہ جادو جگاتی پھرتی ہیں جو صرف حسن وفطرت کے متفق وہم آہنگ ہو جانے کے بعد نظر آ سکتا ہے۔

وادی کے ہر کنج میں صدہا مشعلیں متحرک ہیں، مناروں اور گنبدوں پر ہزارہا چراغ روشن ہیں اور دور ونزدیک پھولوں کے تختے اور باغوں کی روشیں کثرت چراغاں سے ایسا سماں پیدا کر رہی ہیں گویا انفاس زمین نورانی شعاعوں کی موجیں ہیں جن کا پرتو ہر ذرے کو ایک دنیائے نور بنائے دے رہا ہے اور فضائے بسیط کا پیالہ نور اور روشنی سے لبریز کر دیا گیا ہے۔ پھولوں کی پنکھڑیاں شاخوں سے جدا ہو

کرگری اور روشنی کی موجیں بنتی جا رہی ہیں اس شام تماشا اور تقریب مسرت کے موقع پر نازنینان کشمیر اپنے نقابوں کو جدا کر دیتی ہیں اور اپنے رنگین رخساروں کو دکھا کر ایک دفعہ بلبل کو بھی بے نیاز بہار بنا دیتی ہیں۔

ہر متنفس، ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اس دنیائے اسباب میں کسی تعلق کی گرہ سے وابستہ نہیں اور قطعاً آزاد ہے۔ ہر شخص ایک دوسرے سے مل کر یہی کہہ رہا ہے کہ ''شگوفہ'' اس سے قبل کبھی اس قدر شادمان و فرحت ناک نہیں ہوا، چاند نے اس سے لطیف تر چاندنی کبھی نہیں پھیلائی اور گلاب کا پھول کبھی اس درجہ حسین اور شاداب نظر نہیں آیا۔

موج گل کی شدت نے سبزے کو مغلوب رنگ کر لیا ہے اور تا بہ حد نگاہ پھولوں کی رنگینی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، طائر صبا کے بازو امواج نکہت سے اس قدر گراں بار ہیں کہ پرواز مشکل ہے، گویا کہ اس موقع پر پھولوں کی سالہا سال کی پیداوار کو بیک وقت منتشر کر دیا گیا ہے۔ جھیل کے پانی پر، مست تعطر غنچے اس طرح پڑے لوٹ رہے ہیں گویا کسی پری کا ہار ٹوٹ کر سطح آب پر بکھر گیا ہے۔ سازہائے طرب کی آوازیں رقاصہ ہائے زاہد فریب کے خلخال کی جھنکاریں، نارنجی کنجوں کے اندر ریشمی جھولوں میں جھولنے والوں کے خندہ ہائے مسرور، گویا سامعے کے لیے شراب کیف پرور کے جام ہیں، جو پے بہ پے دیئے جا رہے ہیں

سطح آب پر بھی گوناگوں آوازیں ہنگامہ بپا کر رہی ہیں۔ کشتیاں جو چاندنی میں جھیل میں ادھر سے اُدھر دوڑتی پھر رہی ہیں، ان کی صدائے خاموش اور ملاحوں کے چپوؤں کا پانی کاٹنے کی آواز، کنجوں اور جھاڑیوں کے اندر چڑیوں کا زمزمۂ بے اختیار، اور اسی قسم کی صدہا موسیقیاں یہ معلوم ہو رہا ہے کہ موجوں کے ہر ہر بوسے کا جواب ایک ترانہ دلکش سے دیا جا رہا ہے۔

لیکن اس ہنگامہ موسیقی میں وہ آوازیں جو موسیقی و ترنم کا مستقل جزو معلوم ہوتی

ہیں وہ نرم اور سادہ سانسیں ہیں، کسی عاشق کی بانسری سے سہمی ہوئی نکل رہی ہیں، عشاق دل گرفتہ کی بانسری ایسی ساعت میں ایک آہ سرد ہوتی ہے، کیونکہ مسرتوں میں مسرت تو اس کی ہے جو قرب یار سے شاد کام ہے اور جو ماہتاب و موسیقی کے تلاطم میں اپنے محبوب کو پہلو میں لیے ہوئے، کشمیر کی جھیل کشتی رانی میں مصروف ہے۔

عورت، جو ویران ترین مقام کو بھی رشک خلد بنا سکتی ہے، ظاہر ہے کہ وہ کشمیر کی فضا میں کیا کچھ نہیں کر سکتی۔ جہاں گیر کو جب شوکت و حکومت اور تفاخر فتوحات خوش نہ کر سکتے تو وہ ان اشیائے نمود و نمائش سے بھاگ کر کشمیر کی سرزمین میں تسکین و سکون تلاش کرتا اور کوئی شک نہیں کہ وہ کشمیر کی فضا میں نور محل کی معیت سے اپنے مدعا و مقصود کو پا لیتا تھا۔ وہ دولت و عظمت کو فراموش کر کے، اپنی ملکہ محبوبہ ''نور جہاں'' کو ساتھ لے کر جھیل کے کنارے گلگشت کیا کرتا اور ان منتشر پھولوں میں جنھیں نور محل، چلتے چلتے توڑ لیتی اور گیسوؤں میں لگا لیا کرتی تھی وہ شان دل فریبی دیکھتا جو اسے اپنے تاج و نگین میں بھی نظر نہ آتی تھی اور نور محل کی سیاہ زلف کا ایک ہلکا سا چھلا، جو اس کے بلورین گردن پر قائم ہو جاتا جہانگیر کی نگاہوں میں ساری دنیا کی حکومت سے زیادہ عزیز و قیمتی نظر آتا۔

(۲)

نورمحل، اگر کبھی غمگین وملول ہوتی تو یہ معلوم ہونے لگتا کہ وہ رعنائی جو نازنینان عالم کے حسن کے لیے وجہ ناز ہوسکتی ہے، صرف اسی کے حسن کا ایک جزو مستقل ہے۔ وہ جب کبھی برہم ہوتی تو اس کا فوراً رفع ہو جانے والا غصہ اس کے اندر ایک نئے حسن کو بیدار کر جاتا۔ جس طرح ہوا کا ہلکا سا جھونکا پھولوں کی ڈالیوں کو متحرک کر دیتا اور وہ اس جنبش طیف میں زیادہ حسین نظر آنے لگتے ہیں، اسی طرح نورمحل کا غصہ بھی اسے بے انتہا حسین بنا دیتا تھا۔ جب اس کے دل میں رحم و کرم کے جذبات پیدا ہوتے تو اس کے آنکھوں کی سیاہی کا رنگ زیادہ گہرا اور مقدس ہو جاتا اور اس کے اندر اس کے محسوسات کی روشنی اس طرح چمکتی جیسے اندرون خانقاہ سے نزول برکات ہوتا ہے۔ جب وہ مسرور ہوتی تو اس کی کیفیات قلم والفاظ کی دسترس سے بہت بلند و بالاتر ہو جاتیں۔ اور اس کی خوش طبعی اس طائر وحشی سے کہیں زیادہ ہوتی جو موسم برشگال میں ہمہ تن پرواز ہو کر فضا میں بال کشا ہو جاتا ہے۔ وہ ایسی جودت و ذہانت، ذکاوت وظرافت کا مرکز ہوتی جس سے حکماء عقلاء مسحور ہو جاتے ہیں۔ جب وہ بشاش وخندہ ریز ہوتی تو دیکھنے والے کے لیے یہ معلوم کرنا دشوار ہو جاتا کہ اس کی ہنسی کس جگہ جلوہ افروز ہوئی ہے، کیونکہ اس کے رخسار، آنکھیں بلکہ ساری ہستی دمکنے لگتی تھی، گویا وہ کسی چشمے کا مصفا پانی تھی جس پر ہوا کے جھونکوں سے صدہا غبغب پیدا ہو جاتے ہیں۔

یہ تھی نورمحل کے حسن بے مثال کی نیرنگی۔ یہ تھی اس کے جمال بے نظیر کی عشوہ پردازی، جس نے مشرق عظمیٰ کے سب سے بڑے شہنشاہ کو اس کا غلام بنا رکھا تھا۔

لیکن آج کی شب جبکہ ہر دل مسرور و سرشار ہے۔ نورمحل کہاں ہے؟ اس رونق و شادمانی میں، وادی کی اس شب عیش وطرب میں نورمحل کا جلوۂ طلسم پرور کیوں نظر آتا؟

اس حال میں کہ عیش ونشاط کا جوش، لطف وطرب کا شوق، کشمیر کے حسن و شباب کو یہاں کھینچ لایا ہے، کیا اسے، جو شباب کی ملکہ اور حسن کی دیوی ہے، خاموشی و غمگینی میں مستور رہنا چاہیے؟

بسا اوقات ایک ادنی سی بات اور ایک بے حقیقت واقعہ عشاق کے دلوں میں کشیدگی پیدا کر دیتا ہے۔ غریق محبت ہستیوں کا ہجر وفراق میں مبتلا رہنا، جہاز کی اسی غرقابی کی مثال ہے، جو طغیان بحر میں تو بہتا رہے لیکن جس وقت سمندر حلیم و ساکن ہو تو ڈوب جائے۔ وہ محبت جسے طوفان مصائب جنبش میں نہیں لا سکتا، کبھی ایک لفظ سے، ایسی ناگوار و ناز یبا صورت حال پیدا کر لیتی ہے کہ اس کی لطافتیں ایک ایک کر کے زائل ہونے لگتی ہیں او وہ دل جو حد درجہ متحد تھے، سحاب منتشر کی طرح آوارہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ محبت کرنے والی ہستیوں کو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ محبت تو صرف پھولوں کی بدھیوں سے باندھ کر رکھا جا سکتا ہے، کیونکہ محبت کا دیوتا بھی آسمانوں کے چمن زار مسرت میں، اپنے تخت پر گلاب ہی کے ہاروں سے جکڑا ہو بیٹھا ہے۔

اس قسم کا ایک بے حقیقت اختلاف، اس رشتے کو جس میں لبریز شوق دل بند ہے رہتے ہیں، توڑ دیتا ہے۔ محبت کی رنجش آسمانوں پر اس ابر کی طرح ہے، جو ابتدا میں تو نہایت خفیف مگر وسعت پا کر خوف ناک رعد و برق کا مسکن بن جاتا ہے۔ یہی ابر کثیف ہے جو اس وقت شہنشاہ جہانگیر کے دل پر محیط ہے۔ نور محل، اس کی حرم، اس کی دنیا، اس کی زندگی کسی ایسی ہی شکر رنجی کے باعث اس کی آنکھوں سے اوجھل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس شب عیش و تنعم میں جبکہ زعفران زاروں اور کنجہائے باغ میں جذبہ لذت اندوزی نے ایک دنیائے محبت کو آزاد چھوڑ دیا ہے اور ہر متنفس اپنے مدعائے زندگی اور مقصود حیات کو پہلو میں لیے ہے، وہ مغموم اور بیگانہ مسرت پھر رہا ہے۔ پری جمال کنیزوں کا وہ ہجوم جو اس فردوس ارض میں مہیا ہو سکتا ہے،

اس کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہے، لیکن اس کا رنگ زرد ہے اس کی آنکھیں پرنم ہیں اور وہ ایک تمثال بے حس بنا ہوا ہے۔ آہ، سچ ہے باغ میں دنیا بھر کے پھول موجود ہوں، تو ہوا کریں۔ لیکن اگر وہاں گلاب نہیں ہے تو بلبل کو ان سے کیا غرض !!

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

جشن طرب اور تقریب عیش و انبساط سے بہرہ اندوز نہ ہونے کی جو مہ جہانگیر کے لیے باعث بیزاری و دل گرفتگی ہے، وہی مہ نورمحل کو بھی اس لطف و شادمانی سے محروم کیے ہوئے ہے۔ ایک نوجوان خادمہ نعمانہ اس کے ساتھ ہے جو اپنی وفاداری و محبت کے لحاظ سے تمام کنیزوں سے زیادہ ممتاز ہے۔ ان خوبیوں کے علاوہ وہ سحر و پری خوانی کے فن سے بھی واقف ہے جس نے اس کی ہستی اور زیادہ عجیب و غریب بنا دیا ہے۔

نعمانہ تسخیر ارواح کی ماہر تھی اور تمام نفوس آتشیں اس کے مطیع تھے۔ آج کی شب اس نے تہیہ کرلیا ہے کہ اپنے علم پوشیدہ طاقتوں کو ملکہ کے لیے صرف کردے گی اور بادشاہ کا تبسم ایک مرتبہ پھر نورمحل کے لیے مہ انبساب ہو کر رہے گا!

نصف شب گزرنے کے بعد نعمانہ اس طرح اپنی گفتگو کرتی ہے۔

''وہ ساعت یہی ہے، جس میں پھول اور پودوں پر ایک اثر سحر محیط ہو جاتا ہے اور اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس وقت پھول چن کر ہار گوندھ لیے جائیں تاکہ نورمحل کی پیشانی پر، جو اس وقت محو خواب ہے باندھ دیئے جائیں اور جن کے طلسمی اثر سے بادشاہ کی نیند بھی ان خوابوں سے معمور ہو جائے، جن کے راز سے صرف کرۂ آتشیں کے رہنے والے ہی واقف ہیں!''

نورمحل، غمزدہ ملکہ یکبارگی بیدار ہو جاتی ہے اور بے تاب ہو کر نعمانہ کا قطع کلام کر کے پکار اٹھتی ہے۔

''میرے لیے اچھی نعمانہ! میرے لیے! ہاں، آج کی رات وہ ہار میرے لیے ضرور بناؤ''

یہ کہتی ہوئی نورمحل بسرعت تمام غزال ختن کی طرح ریحان زار میں داخل ہو جاتی ہے کہ اس طلسم بند اور سیمیا اثر سہرے کے لیے تمام پروردۂ ماہتاب پھولوں کو

جمع کر لے، جو اپنے تقدس نکہت کی وجہ سے کیوپڈ تیر و کمان کی سجاوٹ ہو سکتے ہیں۔

الغرض، وہ تمام قسم کے پھولوں سے اپنی گود بھر رہی ہے اور جب اس میں مزید گنجائش نہیں رہ جاتی تو نعمانہ کے پاس آ کر اپنے اس خزینہ رنگ و بو کو اس کی گود میں بکھیر دیتی ہے۔

سامری فن، نعمانہ جب اس ساعت تبریک و قبول کی نورانیت میں غسل شبنمی پائے ہوئے پھولوں اور غنچوں کے انبار کو دیکھتی ہے، تو خوشی کی ایک لہر اس کی آنکھوں اور رخساروں کو دمکا دیتی ہے۔ وہ کچھ گنگنانے لگتی اور تعطر رنگین کے اس انبار پر جھک جاتی ہے۔ اس پر ایک کیف بے خودی طاری ہو جاتا ہے اور ماحول پر وہ ایک مقدس اثر طاری ہوتے محسوس کرتی ہے، آخر کار وہ اس نکہت سے سیر ہو کر عمل پڑھنا شروع کر دیتی اور پھول گوندھتی ہوئی گنگناتی جا رہی ہے۔

''میں جانتی ہوں کہ وہ روحیں، فرش شب جن کی بازی گاہ، کہاں رہتی ہیں؟ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ اپنے شہپروں کو دن کے وقت پھولوں کی کن پنکھڑیوں میں چھپا دیتی ہیں۔ اس لیے اے سہیلی، ہمیں اپنا ہار جلد گوندھ لینا چاہیے کیونکہ کل تک تو پھول کمہلا جائیں گے اور وہ خواب پر لگا کر اڑ جائے گا!

محبت کا دیوتا، شوق مجسم بن کر پہنچتا اور گلہائے یاسمن کا تنفس چرا کر لے جاتا ہے۔ یاسمن کے پھول اس دوشیزہ کی طرح جس کے لیے کیوپڈ یہ تحفہ نکہت لے جاتا ہے۔ سائے کے اندر اپنی سانسوں میں اپنی روح شامل کر دیتے ہیں۔ بادام کی بے برگ شاخوں میں نقرئی شگوفے اس طرح پھولے ہیں، جیسے کسی مصیبت زدہ پیشانی کو آئندہ راحت و مسرت کا خیال چمکا دیتا ہے۔ اس لیے اے سہیلی ہمیں اپنا ہار جلد گوندھ لینا چاہیے کیونکہ کل تک تو پھول کمہلا جائیں گے اور وہ خواب پر لگا کر اڑ جائے!

وہ ہستیاں جو مدفون خزینوں کی چمک دمک، اہل دنیا پر اکثر روشن کر دیتی ہیں، ان کوہستانی جھاڑیوں میں رہتی ہیں جن کے کھانے سے مویشیوں کے دانت سونے کے ہو جاتے ہیں، لیکن وہ ہاتھوں سے نہیں چھوئی جا سکتیں کیونکہ ان کا نظارہ تو ایک خونی انسان کو بھی خوف زدہ کر دیتا ہے۔ اس لیے اے سہیلی۔ ہمیں اپنا ہار جلد گوندھ لینا چاہیے، کیونکہ کل تک تو یہ پھول کملا جائیں گے، اور وہ خواب پر لگا کر اڑ جائے گا!

اس مجروح دماغ کا خواب جو انسانی غلط کاریوں پر متبسم ہوتا ہے، الائچی کے پیڑ کے اس تنے کی طرح ہے جو تیشے سے زخمی ہو کر زیادہ خوشبو پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اے سہیلی۔ ہمیں اپنا ہار جلد گوندھ لینا چاہیے، کیونکہ کل تک تو یہ پھول کملا جائیں گے، اور وہ خواب پر لگا کر اڑ جائے گا!''

پھولوں کا طرہ تیار ہو جاتا ہے اور نغمانہ اس تاج گل کو نور جہاں کے زیب سر کر دیتی ہے۔ نور جہاں کی مست خواب آنکھیں نیند سے مغلوب ہو جاتی ہیں اور جس آہستگی و سکون کے ساتھ گرمیوں میں خوشبو آتی ہے اسی خموشی اور ترقی کے ساتھ اس کے پپوٹوں پر نیند کا افسوں طاری ہو جاتا ہے اور دفعتہً نسیم شب، ہلکے ہلکے سروں کی ہم آہنگی سے لبریز چلنے لگتی ہے نور و موسیقی کی روح جو نغمانہ کے عمل کی موکلہ ہے فضا پر محیط ہو جاتی ہے اور جب اس کے بازو جنبش میں آ جاتے ہیں تو عجیب و غریب شیریں موسیقی پیدا ہونے لگتی ہے، یہ روح فضا میں چکر لگا رہی اور کہہ رہی ہے۔

''ایک فوارۂ موسیقی میرا مسکن ہے اور شب ماہ کے طرہ ہائے گل نے مجھے یہاں کھینچ بلایا ہے، ایک چشمہ میرا مامن ہے جہاں میں صبح و شام اور روز و شب امواج ترنم کے اندر راحت پذیر رہتی ہوں، جہاں کی ہوائیں، بانسریوں کی لے سے ملی جلی ہوتی ہیں، جہاں ہر وقت بارش نغمہ ہوتی رہتی ہے اور جہاں دل سے نکلنے والی ہر آہ ہونٹوں سے جدا ہو کر گیت بن جاتی ہے!

میں اپنے پرستانی مسکن سے آئی ہوں اور اگر موسیقی میں اثر سحر ہے تو میں اس تنفس کی قسم کھا کر کہتی ہوں جو شب ماہ کے پردہ ہائے سیمیں سے جاری ہے کہ تیرا عاشق پھر ایک دفعہ تیرے قدموں کو اپنی سانسوں سے پرنم کر رہا ہوگا! میرا نغمہ، وہ نغمہ ہے جو بہ سہولت وسعت اختیار کرتا ہے اور میرے سروہ ہلکے سر ہیں جو سمندر پر باران یخ کے نزول وار اس ی گرمی سے فوراً پگھل جانے کی طرح، خون دل میں شامل ہو جاتے اور دل کو پاک ومنزہ کر دیتے ہیں۔ میرا سحر وہ سحر ہے جس کے پر اسرار اثر کے سامنے مسرات ماضی کی روحیں اظہار اطاعت میں جھک جاتی ہیں، میرے طلسم ترانہ نواز کی صدا کے ساتھ یہ روحیں گروہ در گروہ جمع ہو جاتی ہیں، اور میرا گیت وہ گیت ہے جو داعیات محبت کو ایک دل سے دوسرے دل تک اسی طرح پہنچا دیتا ہے۔ جس طرح ایک چڑیا دلکشا ہواؤں میں تیرتی ہوئی الائچی کے بیج ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچا دیتی ہے!

میرے ایک خفیف لمس سے ایک جنگجو کا دل ایسا نرم ومطیع ہو سکتا ہے جیسے اس کی کلغی کے سفید پر جو جنگ کی ہلاکت باریوں میں سربلند و چمکیلے نظر آتے ہیں۔

میں اپنے پرستانی مسکن سے آئی ہوں اور اگر موسیقی میں اثر سحر ہے تو میں اس تنفس کی قسم کھا کر کہتی ہوں جو شب ماہ کے پردہ ہائے سیمیں سے جاری ہے کہ تیرا عاشق پھر ایک دفعہ تیرے قدموں کو اپنی سانسوں سے نم آلود کر رہا ہوگا!''

صبح کی طلعت نظارہ فروز ہوتی ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ کس اثر انفعال سے متاثر ہو کر پھر ایک دفعہ اپنے نقاب شب رنگ میں روپوش ہو جاتی ہے۔ گویا نمود صبح وہ معشوق مست خواب ہے جو نیند سے بیدار ہو کر ایک ہلکی سی انگڑائی لیتا اور پھر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

نورمحل کی وہ آنکھیں جن میں رات آ کر پناہ لیتی ہے، اس وقت بیدار میں۔ وہ اپنی نے نوازی میں محو ہے۔ اس وقت اس کا لحن کمتر انسانی اور بیشتر ملکوتی ہے۔

کیونکہ اس ساعت سے قبل کسی مطرب و مغنی، کسی لحن طراز و رامشگر کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ ایسے تازہ نغمات قدس کسی انسان کے ہونٹوں سے ادا نہیں ہوئے۔ وہ انفاس ملائک سے زیادہ شیریں ہیں اور وہ الوہیت جو فرشتوں کی سانس میں ہوتی ہے اس نغمہ و موسیقی سے کم ہے!

نورمحل پر اس حالت و کیفیت سے ایک عالم وجدان طاری ہو جاتا ہے۔ وہ تاب نہ لا کر پکار اٹھتی ہے۔

''خدا کرے یہ حالت، یہ کیفیت، یہ سماں رات ہونے تک قائم رہے، اگر ایسا ہوا تو پھر وہ میرا اور ہمیشہ کے لیے وہ میرا ہو جائے گا''۔

وہ پھر گانے لگتی ہے اور ہر ساعت کے بعد نیا گیت شروع کرتی ہے۔ اس خوف سے کہ مبادا یہ ربانی کیف و اثر شام ہونے سے قبل ہی زائل ہو جائے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ جن چیزوں میں اس درجہ سماویت ہوتی ہے وہ سریع السیر ہوتی ہیں۔ لیکن اس کا یہ خطرہ اس دل کا خطرہ تھا جو وفور شوق کے باعث اندیشہ مند رہتا ہے۔ اس کی حالت کیفیت و تاثر اور ترقی پر ہے، اس کی موسیقی کا تقدس ہر لحظہ بڑھ رہا ہے۔ یہ غنا کی دیوی، موسیقی کی ملکہ، اندیشۂ دل سے مجبور ہو کر بانسری کی ایک ایک سر پر بہت دیر تک قائم رہتی اور ہر سر سے جداگانہ ایک گیت نکالتی ہے یہاں تک کہ اپنی نوائے نغمہ اور زمزمۂ موسیقی کی کیفیت میں خود بھی مست و بے خود ہو جاتی ہے۔ جس طرح (ECHO) الہتہ الصدا خود اپنے گیت پر عاشق ہو کر اس کے نشے میں سرشار ہو جاتی ہے، اس توقع میں کہ نغمہ اپنی طرب آگینی سے سرور اپنی نشاط پروری سے اور کیف جام اپنی سرخوشی سے، شاید اس کے دل کو اس عذاب محبت سے نجات دلا سکے۔ جہانگیر نے شالامار میں آج شام کو ایک جشن قرار دیا ہے، وہ شالامار جس کے ایوانوں میں اس وقت جب شام ستارہ شام، آئینہ آب میں اپنی پہلی جھلک دیکھتا ہے، کشمیر کی حوریں جمع ہو جاتی ہیں! صنف نازک کے بہترین افراد ہزاکت

و رعنائی کے ساتھ باغ کی روشوں پر خراماں خراماں جاتے ہیں وہاں کے تسنیم و سلسبیل سے حسن کی شعاعیں پی پی کر شاد کام ہوتے ہیں۔

اس محشرستان حسن و جمال میں، نازنیناں کشمیر کے علاوہ، حوروشان حرم شاہی بھی اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ ساتھ جمع ہیں، وہ پری جمالان حرم جن میں زرین زلفوں والی دوشیزگان مغرب، خرام رعنا رکھنے والی نازنینان مصر، قبرص کے دامن کوہ کی رہنے والیاں جن کا لباس پارہ ہائے الماس سے مزین ہوتا ہے اور خطا کی خواب آلود آنکھوں والی کنواریاں بھی شامل ہیں۔

الغرض ربع مسکون کا منتخب نمونہ حسن و شباب، شالامار کے لیے وجہ زینت و افتخار بنا ہوا ہے، لیکن حیف! نورمحل، وہ ملکۂ جمال جس کے ضیائے تبسم سے دنیا کی روشنیوں میں نور اور جس کی رعنائی سے عالم کے حسینوں میں شان دلربائی قائم ہے نہیں ہے!

شاہنشاہ کا دل و دماغ اس احساس کا آماجگاہ بنا ہوا ہے اور عیش و عشرت کی یہ نمائش بجائے وجہ دل بستگی ہونے کے اس کے لیے وحشت و تنفر کا سامان ہے، کیونکہ نورمحل کے سوا اور کوئی شے اسے اپنی طرف راغب نہیں کر سکتی!

نورمحل ایک عرب دوشیزہ کے لباس میں، نفیری والوں کی چوکی میں ملی ہوئی وہاں وجود ہے اور اس کا سحر نغمہ تمام فضا پر چھایا ہوا ہے۔ چونکہ اس نے عرب کی کنواریوں کی طرح اپنا چہرہ نقاب کے اندر چھپا رکھا ہے۔ اس لیے وہ ابھی تک پہچانی نہیں جا سکی ہے۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ چاروں طرف اس انتظار و جستجو میں پھر رہی ہے کہ جب مخصوص ساعت آوے تو وہ اپنی بانسری کا جادو آزمائے کہ آیا اس کی صدا میں اس وقت تک وہ اثر باقی ہے یا نہیں۔

باغ میں جا بجا چوکیاں بچھا دی گئی ہیں اور کشمیر کی ریشمی چادروں سے ڈھکی ہوئی ہیں، جن پر نظر فریب فواکہ و مشروبات بکثرت موجود ہیں۔ تاکستان قزوین چمپئی

انگور، سمرقند کے سرخ انار، جن کو فشار دینا ایسا ہے گویا کسی سیال شے کا نچوڑ لینا۔ کشمیر کی ناشپاتیاں، کابل کے سرخ سیب، بخارا کے پرحلاوت زرد آلو، سمرقندی اخروٹ، خرمائے بصرہ، ایرانی خوبانیاں، خوشنما اور دل فریب برتنوں میں صندلین کشتیوں میں رکھے ہوئے ہیں اور حسین و نادر ظروف بلورین مشروبات سے لبریز ہیں۔ ان نیلمیں و اخضرین، زرین و احمرین میناؤں کے چاروں طرف ایک جلوۂ سیال مستقلاً قائم ہو کر رہ گیا ہے۔ بحر اخضر کے تاکستانوں میں پھوٹ نکلنے والی بادۂ انگور ایک روشن شبنم معلوم ہو رہی ہے۔ شراب شیراز کے رنگ کا یہ عالم ہے کہ گویا وہ عقیق نادر و نایاب جس کے لیے قبلائی خاں نے ایک شہر کی دولت پیش کر دی تھی، مینا کے اندر رقیق ہو کر رہ گیا ہے!

جہانگیر، الم زدہ جہانگیر ان شرابوں کے جام پیہم پی رہا ہے، کثرت مے نوشی سے اپنے خلائے دل کو پر کرنا چاہتا ہے کہ یہ سیلاب ناب اس کے دل میں اس درجہ طوفان خیز ہو جائے کہ پھر وہاں طائر محبت کی پرواز کے لیے کوئی جگہ باقی نہ رہے، مگر اس نے شائد بھلا دیا ہے کہ محبت کا شریر دیوتا تو ساغر مے کی لہروں پر بھی شناوری کرتا اور انھیں اپنے ابتسام دائمی سے تجلی ریز بنا دیتا ہے۔ مطربان ہند نے اپنے ادبی تخیل میں کامدیو کا گل رنگ کنول ہی پر گنگا کی امواج متبسم میں تیرتا ہوا دیکھا ہے۔

دور ساغر کا لطف بے مزہ ہے، اگر اس آتش سیال کو نغمات موسیقی کا تنفس نہ لے اڑے۔ چنانچہ ایک پر شباب لڑکی اس طرح لحن طراز ہوتی ہے۔

''دن کی روشن ساعتوں میں اور رات کے تاریک لمحوں میں ہم لذتوں سے سرشار ہیں وہ لذتیں جو کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ جس طرح تابستانی سمندر کہ ایک موج کے بعد دوسری ویسی ہی اور اتنی دل فریب پیدا ہوتی رہتی ہے! وہ محبت جو اپنی انتہا کو پہنچ چکتی ہے اپنے دم واپسیں میں دوسری محبت کی تخلیق کا باعث ہوتی ہے۔ اس فضا میں دوشیزگان مہوش سانس لے رہی ہیں اور اس کا یہ تنفس اس پھول کی طرح معطر ہے جو شہد کی مکھیوں کے بوسوں سے ابھی ابھی کھلا ہے، ان کے اشک محبت گوہر بار ابر نیساں کی طرح قابل قدر ہیں، بلکہ اس بوسے اور قطرۂ اشک کی قیمت قیاس و اندازہ کی رسائی سے باہر ہے۔

یہاں وہ آب نشاط جلوہ افروز نگاہ ہے جسے محبت نے گداز لطافت سے مملو کر دیا ہے اور جس کی دلکشی فرشتوں کو اپنے ساوی مسکن سے کھینچ لاتی ہے۔ وہ فرشتے اس بادۂ ارضی کے لیے تسنیم و سلسبیل کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور نبات الارض کی تجلی نظر میں انجم فلک کو بھول جاتے ہیں پھر ان صراحیوں کی عنبر ذرا خوشبو کو کون سی روح

آسمانی کھو دینا پسند کرے گی؟''

جارجیا کی اس حسین دوشیزہ کے نغموں سے ہنوز فضا خالی نہ ہوئی تھی کہ اسی بحر اور انھیں سروں میں ایک سرود آہنگ ساز ہو جاتا ہے اور کچھ ایسی لاہوتی موسیقی سے فضا کو معمور کر دیتا ہے کہ ہر متنفس نقش حیرت بن جاتا ہے کہ موسیقی کے اس مخرج کو معلوم کرے گویا یہ نشید صور اسرافیل کی سب سے پہلی صدائے ہوش ربا تھی جس نے ہر شخص کے محسوسات کو اپنے سحر سے مغلوب کر لیا تھا۔

اسی وقت ایک لحن روح نواز اسی سرود کی طرح مبہوت کر دینے والا ساز کے تاروں پر موجزن ہو جاتا ہے اور ساز سے اس درجہ ہم آہنگ ہے کہ سننے والے تمیز نہیں کر سکتے کہ آیا کس میں زیادہ سماویت ہے ساز سامعہ نواز میں یا لحن روح پرور میں! الغرض نغمہ و موسیقی ایک نیا عالم پیدا کر دیتے ہیں۔ متعدد آوازیں بیک وقت ہم آہنگ ہو جاتی ہیں کہ ''یہ تو وہ نقاب پوش عرب لڑکی ہے۔ سلیم، جو اس غنا کا سب سے زیادہ معمول ہو کر کچھ دیر کے لیے مبہوت و بے خود ہو گیا تھا، ہاتھ کے اشارہ سے مزید نغمے کا طلبگار رہوتا ہے اور یہ وجدانی نغمہ ہر شے پر چھا جاتا ہے۔''

''چل میرے ساتھ جنگلوں میں نکل چل۔ کیونکہ ہمارے عربی خیمے تیرے لیے موزوں نہیں ہیں، بدقطع لیکن آباد محبت خیموں اور خوب صورت لیکن محروم محبت تاج و نگین کے درمیان انتخاب کرنے میں کون ایسا دل ہے جو غلطی کر سکے؟ ہر چند ہمارا مسکن کوہستان ہے مگر متبسم مرد کی ادا کچھ کم محبوب نہیں۔

ہر چند ہمارے صحرا بے برگ و شجر ہیں، لیکن اس کے دامنوں میں نقرئی کھڑوں والے غزالان دشت اس طرح محو خرام ہیں گویا وہ شاہی محل کے فرش مرمریں پر چل رہے ہوں۔

دنیا کی نگاہوں میں ایسی نظیریں بھی ہیں، دنیا کی آوازوں میں ایسے لہجے بھی ہیں جو دلوں کے اندر مسرت بن کر تیر جاتے ہیں۔ جب پہلی مرتبہ تیری چشم کرشمہ

پرور مجھ پر جلوہ فگن ہوئی اور پہلی مرتبہ تیرے لبوں نے مسیحا طرازی کی تو ہر نظر اور ہر آواز مجھ تک ایسے ہی اثر میں ڈوبی ہوئی آئی اور گو میرے لیے ان میں اس قدر اجنبیت تھی کہ میں نے انھیں کسی دوسرے ہی عالم سے منسوب کیا، لیکن ان کی پذیرائی میں نے اس طرح کی کہ گویا میں ان سے ہمیشہ کی واقف تھی۔

اس لیے اگر تیرا دل کسی اور شعلے سے آشنا نہیں ہوا تو میرے ساتھ نکل چل، لیکن اگر میرے لیے تجھے اور کسی سے بے وفائی کرنا پڑے اور اس حور کو جس کی تو نے پرستش کی ہے چھوڑ دینا پڑے، تو مجھے رخصت کر دے، کیونکہ اس صورت میں مجھے اپنا مسکن کسی یخ بستہ جھیل پر بنا لینا قابل ترجیح ہوگا!''

اس نغمے میں وہ سوز و گداز تھا کہ نغمانہ کے اثر فن کے بغیر بھی سلیم کے دل سوزاں میں گھر کر لیتا، اس کا ہر تنفس اور ہر ترانہ وہ چیز تھی جس سے دنیا کے ہونٹ اور ساز محروم تھے، اس کے تاروں کی ہر لرزش اور گیت کے ہر بول میں نغمہ و موسیقی کی دیوی کی روح شامل تھی۔ وہ کیا تھا؟ یہ نہیں بتایا جا سکتا مگر یہ کہ ''وہ سب کچھ تھا!'' بالکل مسلم ہے۔

(۵)

جہانگیر ہوش میں آ کر سنبھلتا ہے اور لبریز ساغر کو جو ابتدائے نغمہ و ترنم سے اس کے ہاتھ میں تھا اور ہونٹوں تک نہ جا سکا تھا زمین پر دے مارتا ہے اور اس نئی مطربہ کو جس کا نام اس وقت تک کوئی نہ جانتا تھا، اس نئی مغنیہ کو جسے اس وقت کوئی نہ پہچانتا تھا، بے اختیار نہ پکارتا ہے ''نورمحل، آہ، میری نورمحل! یہ سحر طراز نغمہ اگر تو نے مجھے پہلے سے سنایا ہوتا تو میں اسی وقت تیرے قصور سے چشم پوشی کرتا اور تیری آنکھوں کے سامنے سے پھر کبھی علیحدہ نہ ہوتا!''

نقاب الٹ جاتا ہے، سحر اپنا کام کر چکتا ہے اور سلیم، نورجہاں کو اپنی نورمحل کو اپنی آغوش میں چھپا لیتا ہے۔ احساس رنجش زائل ہو جانے کے باعث اس کی آنکھوں میں ہر نگاہ حسن و دل فریبی سے مملو تر اور خوبی و دل ربائی سے آبادتر ہے! اس کے ہونٹوں پر آ آ کر کھیلنے والے تبسم کی ہر نمود زیادہ دلنشین ہے اور اس کی آہیں نکہت مسرت سے مالا مال ہیں! اس کا چہرہ جہانگیر کے شانے پر استراحت پذیر ہے اور وہ اپنی خندہ بار آنکھوں سے دیکھتی اور کہتی ہے ''میرے محبوب آقا، بھول نہ جایئے کہ آج جشن شگوفہ ہے!!''

فضل الدین نے اس لحاظ سے کہ یہ مثنوی آخری تھی اور اس کے بعد اب کشمیری شاعر کی کوئی نظم اس کی تکلیف کا باعث نہ ہوگی۔ اس موقعے کو اپنی نقد و رائے کے اظہار کے لیے غنیمت سمجھا، تا کہ وہ بتا دے کہ فرامرز کی شاعری اس کی نظر میں کیا درجہ رکھتی ہے۔ اس نے ''پست'' ''غیر مربوط'' اور ''مہمل'' کہنے کے بعد ظاہر کیا کہ کہ ''اس نے اپنی مثنویوں کے عنوانات و مباحث کے انتخاب میں بھی غلطی کی ہے، بے دینی و کفر کی دلفریبیوں اور بغاوت و سرکشی کی تعریفوں پر اس کی شاعری کی بنیاد قائم ہے! جہاں تک ان افسانوں کا تعلق ہے؟ یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ شاعر کو پرندوں اور پھولوں سے بڑی محبت ہے۔ اس لیے میری رائے میں بمقابلہ شاعری

کے اسے باغبانی، صید افگنی کا پیشہ اختیار کرنا چاہیے تھا!''

قافلہ ان پہاڑوں کے نشیب سے اتر رہا تھا جو کشمیر کو باقی ہندوستان سے علیحدہ کرتے ہیں، چونکہ اب قیام کی ساعتیں اتنی مختصر ہوتی تھیں جتنی کہ آرام کے لیے ناگزیر تھیں، اس لیے لالہ رخ کو کوئی موقعہ فرامرز کو دیکھنے کا نہ ملا اسے احساس ہوا اور دل شکن احساس ہوا کہ اس کی مسرت حیات کا ریائے مختصر ختم ہو یا، اور اب سوائے ان لمحات کی یاد کے اس کے پاس کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ خواتین حرم نے اس حقیقت کا احساس کیا اور خیال کیا کہ شاہ بخارا اس الم زدہ شاہزادی کو دیکھ کر کیا کہے گا۔ وہ شاہزادی جس کے لیے شعراء دہلی نے کہا ہے کہ ''آذر خانہ عالم اور یوسفستان دنیا میں لالہ رخ بہترین صنعت ہے!'' اس کے حزن والم کو کوئی شے دور کر سکتی تھی تو سب سے پہلے وہ چیز کشمیر بے نظیر کی وادی ہو سکتی تھی، لیکن وہاں کی لطیف آب وہوا نے اس پر کوئی خوش گوار اثر پیدا نہیں کیا۔

لالہ رخ کے ساتھ کی خواتین کو راستوں کی آراستگی اور آتش بازی کے تماشے نے بے حد خوش کیا۔ اور انھوں نے اس سے نتیجہ نکال لیا کہ شاہ بخارا کس مزاج و طبیعت کا آدمی ہے اور یہ کہ وہ شاہزادی کا نہایت مکمل شوہر ثابت ہوگا۔ خود لالہ رخ کے لیے ناگزیر تھا کہ اس حشم وخدم، اہتمام وانتظام کی وجہ کو نوجوان عریس شاہی کی عنایت خاص پر منطبق نہ کرے، جو اس رنگ استقبال وطرح پذیرائی کی صورت میں نظر آئی تھی، لیکن ساتھ ہی اس نے اس کرب کو بھی محسوس کیا جو اس اظہار تلطف سے پیدا ہو سکتا تھا۔

جشن عروسی کی ساعت شاہزادی کے ورود کی دوسری صبح کو قرار پا چکی تھی اور اس روز بادشاہ اپنی عروس حور جمال، شاہزادی لالہ رخ کے دیدار سے اول مرتبہ شاد کام ہونے والا تھا۔ اس تقریب کے لیے شاہنشاہ اعظم کا قصر شالامار تجویز ہوا تھا جو جھیل کے دوسرے کنارے پر واقع ہے۔ ہر چند اس وادی مسرور میں اس رات سے قبل

کوئی رات خواب سے معرا اور انتشار و اضطراب سے پر، لالہ رخ سے زیادہ کسی اور کے لیے نہ گزری ہوگی، لیکن صبح جب لالہ رخ پلنگ سے اٹھی اور خواصیں اسے جامہ عروسی سے آراستہ کرنے کے لیے حاضر ہوئیں تو انھوں نے پہلی بار دیکھا کا شاہزادی اس وقت سے قبل بہ قدر نصف بھی دلکشی و رعنائی کا مرقع نہ معلوم ہوئی تھی۔ کیونکہ بعض اوقات حزن و ملال بھی حسن میں اضافہ کر دیا کرتا ہے۔

خواصیں جب اس کی انگلیوں کو رنگ حنا دے چکیں اس کی لوح پیشانی کو مرصع جھومر سے آراستہ کر چکیں تو وہ اس شاہی بجرے تک پہنچائی گئی، جو جھیل کے دوسرے کنارے بصد شان عروسی چشم منتظر کی تصویر بنا ہوا تھا۔

شاہزادی کے بجرے کے پیچھے ہی فضل الدین کی کشتی تھی، جس کے سنجاب و قاقم کے پردے ہٹا دئے گئے تھے۔ تا کہ اس کی عظیم و اقدس ہستی کا نظارہ ہر شخص کر سکے۔ اس کا دماغ اس تقریر سے لبریز تھا جو وہ شاہ بخارا کے سامنے کرنے والا تھا۔

کشتیوں کا جلوس رواں، جھیل سے نکل کر اس نہر میں داخل ہو گیا جو شالامار کے پر شکوت و عظمت گنبدوں اور ایواں تک پہنچا دینے والی ہے اور جس کے دونوں جانب باغ کے تختہ ہائے گل آراستہ تھے، کشتیوں کا یہ خرام نرم، باغ کی نکہت بیز فضا سے گزر رہا تھا، جس نے ہوا کو تعطر میں ڈبو رکھا تھا اور وسط نہر میں فواروں کا پانی سکون اور تسلسل کی حالت میں بلند ہو رہا تھا۔ جس کے عدم حرکت کے باعث گمان ہوتا تھا کہ یہ الماس کے ستون ہیں، جن پر ضیائے آفتاب پرتو فگن ہے مختلف ایوانوں کی محرابیں طے کرنے کے بعد لالہ رخ کا بجرہ اس مقام پر پہنچا، جہاں بادشاہ اپنے عروس کے آنے کا منتظر تھا اور جو تمام قصور و محلات میں بہترین اور عظیم قطر تھا۔ لالہ رخ کے دل کی دھڑکن اور بدن کی کپکپی کا یہ عالم تھا کہ بجرے سے اتر کر سنگ مرمر کے زینے تک پہنچنا دشوار تھا۔ ایوان کے حصہ آخرین میں دو شاہانہ تخت جو اپنی قدر و قیمت میں گل برگد کے ''تخت فیروزہ'' کے برابر تھے، بچھے ہوئے تھے،

ان میں سے ایک پر شاہ بخارا متمکن تھا اور دوسرا تخت..........لاآلہ رخ یعنی دنیا کی حسین ترین عروس کے لیے مخصوص تھا۔ لاآلہ رخ کے ایوانوں میں داخل ہونے کے ساتھ ہی بادشاہ تخت سے اتر کر آگے بڑھا کہ اپنی ملکہ جمیل کی پذیرائی میں اپنا دیدہ دل فرش راہ کر دے اور بہ مشکل اس نے شاہزادی کا دست نازنیں اپنے ہاتھ میں لیا تھا کہ شاہزادی حیرت و استعجاب سے بے تاب ہو گئی اور ہوش و ہواس سے عاری۔

آہ وہ فرامرز تھا جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔ فرامرز خود شاہ بخارا تھا اور شاہ بخارا خود فرامرز! جو اس طرح تبدیل ہیئت کر کے اپنے بھیجے ہوئے خدام کے ساتھ دہلی پہنچا اور وہاں سے شاہزادی کی معیت جمیل میں کشمیر پہنچا۔

اس سفر و تبدیل ہیئت سے اس کا منشا دلی یہ تھا کہ قبل شادی کے لاآلہ رخ کی حقیقی محبت حاصل کر سکے اور یہ اس نے ایک ادنی افسانہ طراز کی حیثیت سے حاصل کر لی۔

یہ معلوم کر کے کہ جو کل فرامرز تھا، آج شاہ بخارا ہے، فضل الدین کے اضطراب کا عالم افسوس ناک حد تک پہونچ گیا تھا۔ لیکن شاہ بخارا نے کچھ اعتنا نہیں کیا اور اسے ایک منصب عالی پر فائز کر دیا۔

بادشاہ اور بیگم کی مسرتوں اور کامرانیوں کے اظہار میں صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ لاآلہ رخ نے بادشاہ کو کبھی فرامرز کے سوا کسی دوسرے نام سے مخاطب نہیں کیا!!

-------The End----ختم شد---

☆☆☆